

بُعَيَّةُ أَهْلِ الْحَاجَةِ

فِي بَيَانِ عَدِّ التَّسْلِيمِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ

(صَلَاةُ الْجَنَازَةِ مِیں سَلَامَ پھیرنے کی تعداد کا تحقیقی جائزہ)

www.KitaboSunnat.com

اعداد و ترتیب

فاروق عبد اللہ بن محمد اشرف الحق

ایم۔ اے، جامعہ اسلامیہ، مَدینہ نبویہ

ناشر

فیض ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی

ارریہ، بہار (انڈیا)



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

بُغْيَةُ أَهْلِ الْحَاجَةِ فِي بَيَانِ عَدَدِ التَّسْلِيمِ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ

(صلوة الجنازہ میں سلام پھیرنے کی تعداد کا تحقیقی جائزہ)

اعداد و ترتیب

فاروق عبد اللہ بن محمد اشرف الحق

ایم. اے.، جامعہ اسلامیہ، مدینہ نبویہ

ناشر

فیض ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، ارریہ، بہار، انڈیا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب: **بغية أهل الحاجة في بيان عدد**

التسليم في صلاة الجنازة (صلاة الجنازہ میں سلام پھیرنے کی

تعداد کا تحقیقی جائزہ)

تالیف: **فاروق عبداللہ بن محمد اشرف الحق**

ناشر: **فیض ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، ارریہ، بہار، انڈیا**

سال اشاعت: **رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ ہجری بمطابق جون ۲۰۱۶**

تعداد صفحات: **۹۵**

تعداد اشاعت: **ایک ہزار**

قیمت: **۸۰ روپے**

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	اسمائے مضامین	نمبر شمار
۸	عرض ناشر	۱
۱۰	تقریظ از فضیلۃ الشیخ نوح عالم بن عبدالستار البخاری المدنی حفظہ اللہ	۲
۲۴	عرض مؤلف	۳
۳۱	نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کا حکم	۴
۳۱	نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کی تعداد کے بارے میں علماء کرام کے اقوال	۵
۳۱	پہلا قول: نماز جنازہ سے فارغ ہوتے وقت دونوں جانب سلام پھیرنا مستحب ہے	۶
۳۲	اس قول کی دلیلیں	۷
۳۲	(الف) سنت نبوی سے استدلال	۸
۳۲	پہلی دلیل: حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: «ثلاث خلال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعلهن، تركهن الناس، إحداهن: التسليم على الجنازة مثل التسليم في الصلاة» کی تخریج	۹
۳۴	حدیث مذکور کا درجہ	۱۰

۳۴	۱۱	مذکورہ حدیث پر علماء کرام کا حکم
۳۴	۱۲	اولا: جن علماء کرام نے مذکورہ حدیث کی تضعیف کی ہے
۳۵	۱۳	تضعیف کی علتیں
۳۵	۱۴	پہلی علت: حماد بن ابی سلیمان محتاط ہیں اور یہ روایت قبل از اختلاف نہیں ہے
۴۳	۱۵	دوسری علت: حماد مذکور مدلس ہے اور روایت معنعن ہے
۵۰	۱۶	تیسری علت: ابراہیم نخعی مدلس ہیں اور انہوں نے اسے معنعن روایت کیا ہے
۵۳	۱۷	ثانیا: جن علماء کرام نے مذکورہ حدیث کی تحسین یا تصحیح کی ہے
۵۶	۱۸	حدیث مذکور سے استدلال کا طریقہ
۶۱	۱۹	(ب): عموم صلاة سے استدلال
۶۳	۲۰	دوسرا قول: نماز جنازہ سے فارغ ہوتے وقت صرف دائیں جانب سلام پھیرنے پر اقتصار کرنا چاہئے
۶۴	۲۱	اس قول کی دلیلیں
۶۴	۲۲	(الف) سنت نبوی سے استدلال
۶۴	۲۳	پہلی دلیل: عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى على جنازة فكبّر عليها أربعاً وسلم تسليمة واحدة. اور اس کی تخریج
۶۸	۲۴	دوسری دلیل: عن أبي أمامة أنه قال: «السنة في الصلاة على

بغية أهل الحاجة في بيان عدد التسليم في صلاة الجنازة

	الجنازة أن تكبر ثم تقرأ بأم القرآن ثم تصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ثم تخلص الدعاء للميت ولا تقرأ إلا في التكبيرة الأولى ثم تسلم في نفسه عن يمينه» اور اس کی تخریج	
۷۷	(ب) عموم صلاة سے استدلال	۲۵
۷۸	(ج) اجماع امت سے استدلال	۲۶
۸۰	خلاصہ کلام	۲۷
۸۲	فہرست مصادر و مراجع	۲۸

عرض ناشر

بسم الله، والصلاة والسلام على رسول الله، وعلى آله وصحبه ومن
والاه، وبعد.

نماز جنازہ ایک مشروع عمل ہے۔ اس کی اہمیت و فضیلت کسی سے مخفی نہیں۔ یہ
ایک عبادت ہے، اس لئے تمام عبادتوں کی طرح اس کی ادائیگی بھی سنت رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کے مطابق ہونی چاہئے۔

نماز جنازہ کے مسائل کتب حدیث کے اندر بکھرے پڑے ہیں۔ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے اس کی ادائیگی ثابت ہے۔ البتہ اس کے بعض مسائل
کے اندر دلیل کی روشنی میں وسعت پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے عامۃ الناس کے
درمیان ان میں خاصی بے چینی پائی جاتی ہے۔

انہیں مسائل میں سے ایک مسئلہ نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کی تعداد کا ہے کہ
آیا ایک طرف سلام پھیرا جائے یا دونوں طرف۔ کچھ ملکوں میں دونوں طرف سلام
پھیرنے کا عام رواج ہے تو کچھ میں ایک طرف، جسے دیکھ کر عام لوگ کثرت سے اس
مسئلہ کے بارے میں سوال کرتے ہیں، جس کے سبب ہمارے فاضل برادر فضیلۃ الشیخ
فاروق عبد اللہ بن محمد اشرف الحق حفظہ اللہ نے اس مسئلہ کی تحقیقی جائزے کا بیڑا اٹھایا
ہے، اور مجھے ان کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس مسئلہ کا کماحقہ حق ادا کئے ہوں گے۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ فیض ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی نے اس تالیف کے
طباعت کی ذمہ داری اپنے کمزور کندھے پر اٹھائی ہے۔

بغية أهل الحاجة في بيان عدد التسليم في صلاة الجنابة

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ تو اس کتاب سے امت اسلامیہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرما اور اسے مؤلف و ناشر اور ان تمام لوگوں کے لئے صدقہ جاریہ بنادے جنہوں نے اس کتاب کی تالیف و طباعت میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔
وصلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔

د / امان اللہ بن محمد اسماعیل

مدرس مسجد نبوی شریف

وچیرمین فیض ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، ارریہ، بہار

۱۶ / رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ

تقریظ

از فضیلتہ الشیخ نوح عالم بن عبد الستار البخاری المدنی حفظہ اللہ

پی. ایچ. ڈی. اسکار، شعبہ فقہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ نبویہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِهِ وَعَظِيمِ سُلْطَانِهِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، وَمَنْ سَارَ عَلَى دَرَجِهِمْ إِلَى يَوْمِ
الدِّينِ، وَبَعْدُ:

جن اور انسان کو رب ذوالجلال نے ایک نہایت ہی عظیم غرض و غایت کے خاطر
عدم سے وجود میں لایا ہے اور وہ ہے اخلاص و للہیت کے ساتھ صرف ان کی عبادت
و بندگی کرنا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا
لِيَعْبُدُونِ﴾^(۱) ہم نے جن اور انسان کو محض میری عبادت کیلئے پیدا کیا ہے اور اسی
مقصد کے پیغام سے اہل دنیا کو روشناس کرانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے گاہ بگاہ انبیاء اور رسولوں
کو مختلف قوموں کی طرف مبعوث فرمایا۔ ارشاد الہی ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ
أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾^(۲) اور یقیناً ہم نے ہر

(۱) سورہ الذاریات (۵۶)۔

(۲) سورہ النحل (۳۶)۔

امت میں رسول بھیجا (یہ پیغام دیکر) کہ لوگو! تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سواء تمام معبودوں سے دور رہو۔

جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت ہی ہمارا مقصد وجود ہے تو ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ عبادت کس کو کہتے ہیں؟ کون کون سی چیزیں عبادت کے زمرے میں شامل ہیں؟ اللہ کی عبادت ہم کب کریں، کتنی کریں اور کیسے اسے انجام دیں؟ شریعت اسلام کے یہ نہایت ہی اہم سوالات ہیں جن کے جوابات سے واقف ہونا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

عبادت کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں مگر ان میں سب سے جامع و مانع تعریف وہ ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی نایاب کتاب ”العبودية“ میں ذکر کیا ہے کہ عبادت کا اطلاق ان تمام امور پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہو چاہے وہ ظاہری قول و فعل ہو یا باطنی۔

یہ جاننے کے بعد دل و دماغ میں یہ سوال کھٹکتا ہے کہ وہ کون کون سی چیزیں ہیں جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود اپنی کتاب مقدس قرآن مجید میں جن کاموں کو کرنے کی ہمیں ترغیب دی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے جن کاموں کا حکم دیا ہے انہی کاموں کو للہیت کے ساتھ بجالانے کو ہی اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول نے ہمیں کرنے کا حکم نہیں دیا ہے وہ ہرگز عبادت ہو نہیں سکتی۔ لہذا کسی بھی عبادت کیلئے کتاب و سنت سے اس کے پسندیدگی کی دلیل ہونا ضروری ہے۔ اسی معنی کو علماء کرام توفیقی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول نے حکم نہیں دیا ہے وہ کام چاہے کسی کی نظر میں کتنا ہی پسندیدہ اور محبوب کیوں نا ہو وہ عبادت

کے خانہ میں شمار نہ ہوگا بلکہ وہ بدعت اور محدثات کے سرخیوں میں مندرج ہوگا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، آپ نے فرمایا: "مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ"^(۱) جس نے کوئی ایسا کام سرانجام دیا جس پر شریعت کا مہر ثبت ناہو وہ مردود ہے۔

کچھ لوگ محض مسجد میں کئے جانے والے کاموں کو ہی عبادت سمجھتے ہیں جبکہ معاملہ دراصل ایسا نہیں ہے بلکہ عبادت انسانی حیات و زیست کے تمام پہلو کو شامل ہے چاہے وہ مسجد میں ہو یا خارج مسجد۔ اور عبادت کی بہت ساری قسمیں ہیں جو اعضاء و جوارح کے ظاہری اطاعت اور دل کے نہا خانوں سے صادر ہونے والی باطنی اطاعت کو شامل ہے۔ چنانچہ ذکر و تسبیح، تکبیر و تہلیل، دعا، تلاوت قرآن، صوم و صلاۃ، زکاۃ و حج و جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، خویش واقارب، یتیم، مسکین اور مسافر کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ یہ اعضاء و جوارح کی ظاہری عبادت ہے اسی طرح سے اللہ اور اس کے رسول کی محبت، خوف الہی، اخلاص نیت، اللہ کی قضا و قدر پر صبر و تحمل، اللہ پر بھروسہ، رحمت الہی کی امید کرنا، اسی کی طرف راغب ہونا، اس کے عذاب سے ڈرنا یہ قلبی عبادت ہے۔ الغرض انسان کا ہر مباح کام بھی عبادت میں شمار ہو سکتا ہے شرط یہ ہے کہ اس مباح کام میں قربت الہی کی نیت شامل ہو، یا اس سے اطاعت الہی میں تقویت حاصل کرنے کی نیت شامل حال ہو، جیسے سونا کھانا پینا، خرید و فروخت، طلب رزق،

(۱) صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، باب نقض الاحکام الباطلہ ۳/۱۳۴۳، حدیث نمبر ۱۷۱۸۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں اسے معلقاً ذکر کیا ہے دیکھئے ۳/۶۹، اور ۹/۱۰۷۔

شادی بیاہ وغیرہ۔ اگر ان کاموں سے اللہ کی عبادت بخوبی انجام دینے کے لئے تقویت حاصل کرنا مقصود ہو تو یہ سارا کام عبادت میں شمار ہوتا ہے۔

رہا سوال کہ ہم عبادت کب کریں، اور کتنی کریں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت دو قسم کی ہے:

عبادت مقیدہ: جس کا وقت اور مقدار مقرر ہو، جیسے نماز پنجگانہ، رمضان کا روزہ، حج، زکاة الفطر، نماز عیدین وغیرہ، تو اس طرح کی عبادتوں کو اسی وقت اور اتنی ہی مقدار میں انجام دی جائے گی جو وقت اور مقدار شریعت نے ان کیلئے مقرر کی ہے۔

عبادت مطلقہ: جس کیلئے کوئی وقت یا حد مقرر نہیں ہے، جس وقت انسان کو فرصت ملے، جتنی مقدار کرنے کی توفیق ہو اسی اعتبار سے اس کو انجام دے۔ جیسے ذکر و تسبیح، تلاوت قرآن، نفلی روزہ، نفلی صدقات وغیرہ۔

باقی رہا سوال کہ ہم عبادت کو کیسے اور کس طریقے سے انجام دیں؟ کیا ہم عبادت الہی اپنی مرضی کے مطابق کریں یا اس کے کوئی خاص اصول و ضوابط ہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ عبادت توقیفی ہے۔ اور توقیفی کا معنی ہے کہ اس کی اصل بھی توقیفی ہے اور ہیئت و کیفیت بھی توقیفی ہے۔ ایسا ہر گز نہیں کہ جس کے عبادت ہونے میں شریعت سے دلیل موجود ہو اس کو ہم جیسے چاہیں جس کیفیت سے چاہیں حسب ذوق ادا کرتے رہیں، بلکہ شریعت نے اس کیلئے اصول و ضوابط مقرر کئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَأَسْتَقِمَّ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا

تَطْعُوا^(۱) (یعنی آپ اسی طریقے سے شریعت پر قائم رہتے جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور وہ لوگ بھی (اسی طریقے سے شریعت پر قائم رہے) جو آپ کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں، اور خبردار مقررہ حد سے تجاوزنا کرنا)، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَذْكُرُوهُ كَمَا هَدَيْتُكُمْ﴾^(۲) (اور اللہ کی بندگی ویسے ہی کرو جیسے اللہ نے تمہیں بتایا ہے)۔ اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ بندگی اور طریقہ زندگی کو ہمارے لئے نمونہ بنایا تاکہ ہم اس کی اقتدا کریں اور اسی کے طریقے پر اللہ کی بندگی کریں۔ فرمان الہی ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾^(۳) (یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے کیلئے نمونہ ہے)۔ یعنی ہر چیز میں چاہے وہ عبادات میں ہو یا معاملات میں، مزید اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾^(۴) (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو کچھ دے اسے شرح صدر سے قبول کر لو اور جس چیز سے روکے اس سے تمہیں دور رہو) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي

(۱) سورہ ہود (۱۱۲)۔

(۲) سورہ البقرة (۱۹۸)

(۳) سورہ الاحزاب (۲۱)

(۴) سورہ الحشر (۷)

أَصْلِي" (۱) (تم لوگ نماز ویسی پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا)۔ لہذا عبادت کا طریقہ بھی کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق ہونا چاہئے ورنہ وہ عبادت بھی مردود قرار پائیگی۔ کیوں کہ اس کے طریقے پر شریعت کا مہر ثبت نہیں ہے۔ لہذا کسی عبادت کی قبولیت کیلئے دو اہم شروط کا پایا جانا ضروری ہے: پہلی شرط: اخلاص نیت، اور دوسری شرط: اس کے کیفیت و کمیت کا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونا۔

اور منجملہ اللہ تعالیٰ کی عبادتوں میں سے ایک عبادت نماز جنازہ ہے جو کہ فرض کفایہ ہے۔ اور فرض کفایہ بسا اوقات فرض عین بن جاتا ہے جبکہ وہاں اس کے سواء اس مہم کو انجام دینے والا کوئی اور موجود نہ ہو۔ سنت رسول میں نماز جنازہ کی بڑی فضیلت ثابت ہے۔ عمل مختصر مگر اجر و ثواب نہایت ہی عظیم ہے۔ امت محمدیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ ایک بہت بڑا احسان اور گراں قدر تحفہ ہے۔ صحیح مسلم (۲) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی میت کی نماز جنازہ پڑھی اس کو ایک قیراط نیکی ملتی ہے اور جس نے مزید برآں میت کو قبر تک جا کر اس کو دفنایا اسکو دو قیراط نیکیاں ملتی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک قیراط یا ان دونوں میں سے سب سے کمتر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے۔

یہ احد پہاڑ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی سے ساڑھے پانچ کیلو میٹر دور شمالی جانب واقع ہے۔ آج کل مدینہ کی بڑھتی آبادی نے اس کو اپنا ہم سایہ بنا لیا ہے۔ احد کی لمبائی

(۱) صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب أذان المسافر ۱/۲۱۲، حدیث نمبر ۶۳۱.

(۲) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اتباع الجنائز من الایمان ۱/۱۸، حدیث نمبر ۴۷.

تقریباً چھ کیلو مٹر ہے اور چوڑائی دو سے تین کیلو مٹر ہے۔ کام مختصر اور اجر و ثواب اتنا عظیم لہذا اس میں تمام مسلمانوں کو بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے۔ واضح رہے کہ نماز جنازہ کی فضیلت مرد و عورت سب کیلئے یکساں ہے۔ لیکن عورتیں دفنانے کیلئے قبر تک نہیں جا سکتیں، بس وہ صرف نماز پڑھ کر ہی ثواب کما سکتی ہیں۔ مگر افسوس کہ شمال مشرقی ہند میں شاید ہی کوئی عورت کبھی نماز جنازہ پڑھی ہو۔ اور وہ اس لئے کہ ہمارے یہاں کی خواتین کے دل دماغ میں یہ پیوست ہے کہ یہ عبادت صرف مردوں کیلئے ہے۔ نیز میں نے آج تک کسی صاحب علم کو نہیں دیکھا جس نے اس کی طرف کبھی ہمارے خواتین کی توجہ مبذول کی ہو، خلاصہ یہ ہے کہ خواتین اگر اس اجر و ثواب میں شریک ہونا چاہے تو اس کا بھی حق ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ کے اجر و ثواب میں مرد و عورت کا فرق نہیں بتایا ہے۔ شریعت میں خطاب مردوں کو ہوتا ہے اور اس میں عورتیں بھی داخل ہوتی ہیں۔ شریعت میں اس کی کافی مثالیں موجود ہیں، جیسے ﴿وَأَقِمْوْا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾^(۱) وغیرہ۔ اس میں خطاب مردوں سے ہے ہے لیکن خواتین بھی اس میں شامل ہیں۔ اور ایسے خطاب میں خواتین اس وقت تک شامل رہیں گی جب تک کہ کوئی ایسی دلیل سامنے نہ آجائے جو خواتین کو اس خطاب سے خارج کر دے۔ نیز نماز جنازہ میں عورتوں کے شامل ہونے کیلئے عباد بن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث^(۲) موجود ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

(۱) سورہ البقرة (۲۳)۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی الجنابة فی المسجد ۲/۶۶۸، حدیث نمبر ۹۷۳۔

جب وفات پائے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ ان کا جنازہ ان کے پاس لایا جائے تاکہ وہ ان کی نماز جنازہ پڑھ سکے اور صحابہ کرام میں سے کسی نے ان پر نکیر نہیں کی۔ اس میں دو طرح کی دلیل موجود ہے: پہلی: اگر عورتوں کا نماز جنازہ پڑھنا جائز نہ ہوتا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نماز جنازہ پڑھنے کی غرض سے سعد کا جنازہ لانے کا حکم نہ دیتی۔

دوسری: اگر عورتوں کا نماز جنازہ پڑھنا روا نہ ہوتا تو ضرور صحابہ کرام میں سے کوئی اس کی نکیر کرتے، مگر کسی سے اس کی نکیر ثابت نہیں ہے۔

لیکن ہاں خواتین دفنانے کیلئے مردوں کے ساتھ قبرستان نہیں جاسکتیں، جیسا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے منع فرمایا ہے^(۱)۔

البتہ عورتیں نماز جنازہ پڑھتے وقت چند امور کا خیال رکھیں۔ پہلا یہ کہ اس کے نماز جنازہ میں شریک ہونے سے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ پردہ کا پورا پورا خیال رکھیں، اختلاط مرد و زن سے دور رہیں۔ تیسرا یہ کہ وہ مردوں کے پیچھے صف میں کھڑی ہوں۔

دھیان رہے مرد و زن کو اسی وقت یہ اجر عظیم حاصل ہوگا جب نماز جنازہ کو شریعت کے مشروع کردہ طریقے پر ادا کی جائے ورنہ یہ عمل اکارت چلا جائے گا۔ شریعت میں نماز جنازہ کا طریقہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) متفق علیہ: صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب اتباع النساء الجنائز، ۷۸/۲، حدیث نمبر ۱۷۸۸، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب نہی النساء عن اتباع الجنائز، ۶۴۶/۲، حدیث نمبر ۹۳۸۔

نماز سے پہلے نماز کی جتنی شرطیں ہیں اسے پورا کرنے کے بعد قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہوں، اور تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے رفع یدین کریں، اور اپنے سینے پر دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں، پھر استعاذہ اور بسملہ کے بعد سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کریں، نیز اس کے اختتام پر آمین کہیں، پھر بسملہ کے بعد کوئی دوسری سورت کی تلاوت کریں، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے رفع یدین کریں، بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ابراہیمی پڑھیں، پھر اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے رفع یدین کریں، اس کے بعد میت کیلئے صحیح احادیث سے جو دعائیں ثابت ہیں ان کو پڑھیں، دعائیں پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو جائیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوں یا دونوں طرف سلام پھیریں؟ یقیناً سلام نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ بغیر سلام کے نماز سے فارغ نہیں ہو سکتے۔ عموماً ہمارے ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش سمیت برما اور نیپال میں نماز جنازہ میں دو سلام پھیرتے ہیں۔ جبکہ سعودی عرب میں ایک ہی سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتے ہیں۔ بالخصوص حج کے ایام میں پاک و ہند سے آنے والے حجاج کرام بڑی تشویش میں پڑ جاتے ہیں کیوں کہ ان کو ایک طرف سلام پھیر کر نماز جنازہ سے فارغ ہونے کی عادت نہیں ہوتی۔ لہذا اس مسئلہ کی تحقیق ضروری تھی تاکہ لوگ علی وجہ البصیرۃ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔

مسئلہ ہذا میں علماء کرام کے دو قول ملتے ہیں :

پہلا قول: ایک طرف ہی سلام پھیر کر نماز جنازہ سے فارغ ہوں گے۔ علامہ ابن رشد نے اس قول کو نسبت کرنے میں ان کی خاص اصطلاح کی مخالفت کرتے ہوئے

تساہل سے کام لیا ہے۔ انہوں نے اس قول کے بابت فرمایا ہے کہ یہ جمہور کا مسلک ہے۔ جبکہ ان کی اصطلاح میں جمہور سے مراد ائمہ ثلاثہ ہیں یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی جیسا کہ انہوں نے (بدایۃ المجتہد ۱/۷۷ میں) فرمایا: "وَإِذَا قُلْتُ: "الْجَمْعُ هُوَ" فَالْفَقْهَاءُ الثَّلَاثَةُ مَعْدُودُونَ: أَعْنِي مَالِكًا، وَالشَّافِعِيَّ، وَأَبَا حَنِيفَةَ"، میرے جمہور کہنے سے مراد ائمہ ثلاثہ ہیں یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ۔ جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا یہ مذہب نہیں ہے بلکہ یہ مذہب مالکیہ اور حنابلہ کا ہے۔

دوسرا قول: دونوں طرف سلام پھیر کر نماز جنازہ سے فارغ ہوں گے۔ یہ حنفیہ، شافعیہ اور ابن حزم کا مذہب ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دونوں قول صحیح ہیں یا ان میں سے ایک قول؟ اس کا جواب اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب فریقین کے دلائل کو علمی تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ شریعت کے کسی بھی مسئلہ کو جانچنے اور پرکھنے کے کیلئے پانچ اصول و ضوابط کا لحاظ رکھنا نہایت ہی ضروری ہے۔

۱. کتاب و سنت کے میزان سے تمام لوگوں کے اقوال و افعال کو ناپا جائے، ناکہ لوگوں کے اقوال و افعال کو معیار بنا کر قرآن و حدیث کو توڑ مروڑ کر اور اس کی سو تاویلیں کر کے اپنے مطلب کے موافق کیا جائے۔

۲. کتاب اللہ اور سنت رسول کے معانی و مفاہیم کو سلف صالحین صحابہ اور تابعین کے فہم کی روشنی میں سمجھا جائے۔

۳. نصوص کے وہ ظاہری معنی کو لازم پکڑیں جس پر عربی زبان دلالت کرتی ہو

الایہ کہ اس کے ظاہری معنی سے ہٹ کر مجازی معنی پر کوئی نص دلالت کرتی ہو۔
 ۴. مسئلہ کے تمام نصوص کو ایک جگہ جمع کر کے تعصب اور طرفداری سے
 عاری ہو کر صحیح اصول و ضوابط کے مطابق ان کا مقارنہ کیا جائے۔
 ۵. نصوص متشابہ کو نصوص محکمہ کی روشنی میں سمجھا جائے نہ کہ اس
 کے برعکس۔

تمام ائمہ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ نماز جنازہ میں ایک سلام کا پھیر نا واجب
 اور ضروری ہے۔ بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی۔ لیکن اختلاف صرف دو سلام کے جواز
 و استحباب میں ہے۔ لہذا جن لوگوں نے ایک طرف سلام پھیرنے کو اختیار کیا ان سے
 کسی کو اعتراض نہیں، اعتراض ان لوگوں پر ہے جنہوں نے دو سلام کو اختیار کیا، آیا اس
 کی کوئی دلیل ہے یا نہیں؟ اگر صحیح دلیل موجود ہو تو بلا جھجک اس کا جواز مسلم ہوگا، اور
 اگر اس کی کوئی معتبر دلیل موجود نہ ہو تو اس کو جائز کہنا شریعت پر تحکم ہوگا۔

جن لوگوں نے دونوں طرف سلام پھیرنے کو اختیار کیا ہے انہوں نے اصول
 کے مطابق اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے بیہقی نے سند حسن کے ساتھ روایت کی
 ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین خصلتیں ایسی ہیں جسے آپ
 صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے مگر لوگوں نے اسے ترک کر دیا ہے، ان میں سے ایک
 خصلت یہ کہ نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کا طریقہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے نماز فریضہ
 میں سلام پھیرنے کا طریقہ ہے۔ جس طرح نماز فریضہ میں دونوں طرف سلام پھیر کر
 فارغ ہوتے ہیں اسی طرح نماز جنازہ میں بھی دونوں طرف سلام پھیر کر فارغ ہونگے۔
 اور ان دونوں طریقوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ یہ اختلاف تنوع میں سے

ہے۔ گرچہ ان دونوں طریقوں میں کوئی ایک طریقہ زیادہ رائج کیوں نہ ہو، لیکن دوسرے طریقے کو ہم غلط اور اس پر عمل کرنے والے کے اعمال کو باطل نہیں کہہ سکتے۔ یقیناً جس نے دونوں طرف سلام پھیرنے والی حدیث پر عمل کیا جو کہ درجہ حسن تک پہنچتی ہے اس کے نماز جنازہ کو باطل قرار دینا شریعت کے رو سے روا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ عمل ہے۔ اس لئے مسئلہ ہذا میں دونوں قول پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اور شریعت میں اس کی کافی مثالیں موجود ہیں جیسے اذان ترجیع و بلا ترجیع دونوں طرح صحیح ہے، اقامت اکہری اور دوہری دونوں صحیح ہے، تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جانی والی کئی دعائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان میں سے کوئی بھی دعاء پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح تشہد میں پڑھی جانی والی کئی طرح کی دعائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان میں سے کوئی بھی دعاء تشہد میں پڑھ سکتے ہیں۔ البتہ اس مسئلہ میں عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول۔ کہ جس نے نماز جنازہ میں دونوں جانب سلام پھیرا وہ جاہل ہے وہ جاہل ہے۔ مبالغہ پر مبنی ہے۔

لیکن حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ جس میں دونوں طرف سلام پھیرنے کی دلیل ہے کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ عربی کا مثل ہے: "أثبت العرش ثم انقش"۔ اس لئے سب سے پہلے دلیل کو ثابت کریں پھر اس پر مرتب ہونے والے احکام پر گفت و شنید کی جائے۔ کیونکہ دور حاضر میں برصغیر کے محدث علامہ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو دو علتوں کی بنیاد پر اپنی کتاب مختصر صحیح نماز نبوی کے صفحہ نمبر ۳۲ کے ۶ نمبر حاشیہ کے تنبیہ میں ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح سے مغربی بنگال

کے ایک علم دوست عالم دین نے ایک بنگلہ مجلہ میں علامہ کے دو علت پر اور ایک علت کا اضافہ کرتے ہوئے دونوں جانب سلام پھیرنے کو ناروا قرار دیا ہے۔ یقیناً اس حدیث کے سند کی تحقیق و دراستہ کی کافی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ اور اسی حدیث کی صحت اور ضعف کی بنیاد پر علماء کرام کے فتاوے بھی ڈمگمانے لگے تھے۔ نیز اس کی تحقیق اور تدقیق کا کام اس قطب الرجال کے زمانے میں ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ فن حدیث اور علم الرجال میں گہری نظر رکھنے والے ہی اس کا تشفی بخش جواب حوالہ قرطاس کر سکتے ہیں، شرط یہ ہے کہ امانت داری کے ساتھ اوپر گزرے ہوئے تحقیق و تدقیق اور دراستہ کے پانچ اصولوں کے دامن تھامے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جب بھی امت کا کسی پر پیچ مسئلہ سے سامنا ہو تو ایسے افراد کو مسخر کیا جس کے ذریعے لوگوں کی راہیں روشن کی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی مشیت نے اس حدیث کی سند کی تحقیق کے لئے میرے محترم بھائی فاروق عبد اللہ بن محمد اشرف الحق کو اختیار کیا۔ میں نے ان کی تحریر کو شروع سے آخر تک پڑھا۔ انہوں نے بڑے ہی اچھے اسلوب میں تعصب کا عینک اتار کر اس حدیث کی تین علتوں کا نہایت ہی علمی و تحقیقی اور منصفانہ جائزہ لیا ہے۔ تحقیقی اصول و ضوابط کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ یقیناً انہوں نے اپنی چشم کشا تحقیق سے ہر منصف کے دل میں محبت کی تحریر نقش کی ہے۔ ان کے تحریر کا ہر لفظ ہر جملہ تواضع و انکساری کا مرقع اور علم و تحقیق کی بار سے جھکا ہوا نظر آرہا ہے۔ موصوف کی غرض نگارش علمی اصول و ضوابط کے مطابق مسئلہ کے صحیح نتیجہ تک پہنچنا ہے۔ انہوں نے کتاب میں مذکورہ حدیث کی سند کی تحقیق کے ساتھ ساتھ مسئلہ کے فقہی جوانب کا بھی خیال رکھا ہے جس سے کتاب کی خوبصورتی اور رونق میں چار چاند لگ گیا ہے۔ اردو

داں طبقہ کیلئے یہ کتاب ایک انمول تحفہ ہے۔ بالخصوص جس پسے منظر پر موصوف نے اپنے قلم کو مہمیز لگایا ہے یقیناً اس علاقے اور حلقے کے لوگوں کے لئے یہ کتاب درنایاب ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے الہ العالمین تو ہم تمام کو دل و جان سے متحد ہو کر تیری کتاب اور صحیح سنت پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرما، اور محترم بھائی فاروق عبد اللہ کے زور قلم میں مزید قوت بخش، اور ان کی تحریروں میں مزید رعنائیاں عطا فرما۔ آمین و صلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ اجمعین وسلم۔

نوح عالم بن عبد الستار البخاری

شب سہ شنبہ ۹/۸/۱۴۳۷ھ

مدینہ طیبہ، سعودی عرب

عرض مؤلف

إن الحمد لله نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله.

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ﴾^(۱).

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَجِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ ۚ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾^(۲).

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿۷۰﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾^(۳).

أما بعد:

(۱) آل عمران (۱۰۲).

(۲) النساء (۱).

(۳) الأحزاب (۷۰-۷۱).

۱۴۳۰ھ بمطابق ۲۰۰۹ء میں مدینہ طیبہ میں قدم رکھنے کے بعد سے لے کر آج تک ہندوپاک اور بنگلہ دیش سے تشریف لانے والے حجاج کرام اور مسجد نبوی کے زائرین کی طرف سے ہر سال دسیوں بار اس سوال سے سابقہ ہوتا ہے کہ صلاۃ الجنائزہ میں سلام پھیرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ صرف داہنے جانب سلام پھیرنا مشروع ہے یا دائیں و بائیں دونوں جانب؟

اور ان کا سوال کرنا معقول بھی ہے کیونکہ برصغیر کے اکثر علاقوں میں دونوں جانب سلام پھیر کر صلاۃ الجنائزہ سے فارغ ہونے کا طریقہ عام ہے۔ اور جب حجاج کرام یہاں حرمین شریفین میں صرف داہنے جانب سلام پھیر کر مصلیوں کو صلاۃ الجنائزہ سے فارغ ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سا طریقہ صحیح ہے؟ اپنے ملکوں میں جو طریقہ رائج ہے وہ، یا یہاں حرمین شریفین میں جس طریقہ پر نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے یہ؟

البتہ گذشتہ ایک سال سے اس سوال نے کافی زور پکڑا ہے خصوصاً مشرقی شمال ہند کے باشندگان کی جانب سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ دنوں سے وہاں کے بعض علماء کی جانب سے زور و شور سے یہ دعوت پھیلائی جا رہی ہے کہ صرف داہنے جانب سلام پھیرنا ہی مسنون ہے اور دونوں جانب سلام پھیرنا صحیح نہیں۔ یہاں تک کہ بعض حضرات کی جانب سے مختصراً کچھ تحریریں بھی منظر عام پر آئیں۔ نیز علماء کی ایک جماعت سے اپنے اپنے علاقوں میں پرانے عمل (دونوں جانب سلام پھیرنا) کو ترک کرنے کی اپیل بھی کی گئی۔

چونکہ جنازہ کا ماحول بڑا سوگوار ہوتا ہے، اور بہت سارے ایسے حضرات جنہوں

نے عرصہ دراز سے مسجد کا منہ تک نہ دیکھا ہو صلاۃ الجنازہ میں ضرور حاضر ہوتے ہیں۔ ایسی بھری محفل میں جب علماء کرام کو اس مسئلہ پر بحث و مباحثہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو انہیں لب کشائی کا اچھا موقع مل جاتا ہے۔

کافی دنوں سے بعض خیر خواہ کی جانب سے اس موضوع پر کچھ لکھنے کا مطالبہ تھا، لیکن ماجستیر کے رسالہ کی مشغولیت اور دکتوراه کے امتحان کی تیاری کی وجہ سے ان کی دعوت پر لبیک کہنا ممکن نہ تھا۔ الحمد للہ ایم۔ اے۔ کے رسالہ کی تکمیل اور ڈاکٹریٹ کے مرحلہ میں داخلہ مل جانے کے بعد اس موضوع پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا۔ پہلے اس موضوع کو جتنا آسان سمجھا تھا شروع کرنے کے بعد اس کی صعوبتوں کا احساس ہوا۔ لیکن اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اسے پورا کر کے قارئین کی خدمت میں حاضر کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

بر صغیر میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث «ثلاث خلال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعلهن، تركهن الناس، إحداهن: التسليم على الجنازة مثل التسليم في الصلاة»۔

(تین خصلتیں ایسی ہیں جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے لیکن لوگوں نے چھوڑ دیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے: جنازہ میں سلام پھیرنا عام نماز میں سلام پھیرنے کی طرح ہے۔) پر عمل کرتے ہوئے صلاۃ الجنازہ سے فارغ ہوتے وقت دونوں جانب سلام پھیرنے کا طریقہ عام ہے۔ لیکن اس حدیث کو پاکستان کے مشہور عالم دین شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”مختصر نماز نبوی“ کے آخری صفحہ میں ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ان کے منہج پر چلتے ہوئے مشرقی شمال ہند کے بعض علماء نے بھی اس کی تضعیف

کی ہے۔ متقدمین میں سے کسی محدث کی جانب سے اس کی تضعیف نہ مل سکی، اور نہ ہی معاصرین میں سے ان کے علاوہ کسی نے اس طرح کی ایسی کوئی بات کہی ہے۔ اس کے برعکس متقدمین و معاصرین علماء کی ایک جماعت نے اسے صحیح یا حسن قرار دیا ہے جس کی تفصیل داخل رسالہ آپ کو نظر آئیگی، ان شاء اللہ۔

زیر بحث مسئلہ میں اس حدیث کی تخریج پر ہی زیادہ بات کی گئی ہے کیونکہ دونوں جانب سلام پھیرنے کو ناجائز کہنے والوں نے اس حدیث کی تضعیف پر کافی زور دیا ہے۔ توضیح مسئلہ کے ساتھ ساتھ ضمنی طور پر حدیث مذکور کو ضعیف کہنے والوں کا رد بھی اس رسالہ میں قارئین کو نظر آئیگا۔ میں نے دوران نقد ادب و احترام کا خیال رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ اور باحیات لوگوں میں سے کسی کا نام ذکر کرنے سے کلی طور پر اجتناب کیا ہے، کیونکہ کسی شخصیت یا کسی جماعت کو ہدف تنقید بنانے کا قطعاً نہ کوئی ارادہ ہے اور نہ ہی اس سے کچھ دینی و علمی فائدہ ہی حاصل ہونے والا ہے۔ اسی طرح جو حضرات دونوں جانب سلام پھیرنے کے جواز کے قائل ہیں ان سے میری مؤدبانہ التماس ہے کہ اس رسالہ کو ہتھیار بنا کر کسی شخص یا کسی جماعت و گروہ کو ہرگز ہدف تنقید نہ بنائیں۔ بلکہ اسے صرف ”توضیح مسئلہ“ کے طور پر دیکھیں۔ نیز مذکورہ خطہ کے علماء کرام سے عاجزانہ گزارش ہے کہ جن مسائل پر عرصہ دراز سے عمل چلا آ رہا ہے انہیں بلاوجہ بدلنے پر آمادہ نہ ہوں۔ اگر علماء کے مابین ان میں اختلاف ہے اور کسی قول پر عمل کرنے میں علاقہ کے لوگ متفق ہیں تو اس وقت تک ان مسائل کو نہ چھیڑیں جب تک کہ شرعی اصولوں سے ان کے ناجائز، اور شرک و بدعات میں سے ہونے کا یقین نہ ہو جائے۔

اسی طرح اگر شرعی اصولوں سے عرصہ دراز سے چلے آرہے کسی عمل کا غیر مشروع ہونا کنفرم ہو جائے تو اسے واضح اور ظاہر کرنے سے بھی پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے۔ اور اس راستے میں پیش آنے والے ناخوشگوار حالات پر صبر کا دامن بھی نہیں چھوڑنا چاہئے۔

اس خطہ میں عقدی مسائل کے تعلق سے عوام کے مابین حد درجہ جہالت موجود ہے، اور علماء و طلبہ علم کا طبقہ بھی ان مسائل سے کوئی خاص شغف نہیں رکھتا جس کی انہیں سب سے زیادہ اور سخت ضرورت ہے۔ آپ کو نادر ہی کسی خطبہ جمعہ یا جلسہ و کانفرنس میں اسماء و صفات، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتاب والرسول، ایمان بالقدر، مسی الايمان، خوف ورجاء، ولاء وبراء، توکل علی اللہ، طاعة ولاة امور المسلمين، صحابہ کرام اور سلف صالحین کے حقوق..... وغیرہ وغیرہ جیسے عقدی مسائل کے تعلق سے کوئی تقریر سننے کو ملے گی۔ نہ عوام الناس کو ان مسائل کے تعلق سے کوئی جانکاری ہوتی ہے اور نہ مدارس کے علماء اور طلبہ ہی اس سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں۔ سخت ضرورت ہے کہ ہم اپنے دعوتی مشن کا رخ اس جانب کریں اور مختلف فیہ فقہی مسائل سے زیادہ عقدی مسائل کو اپنے دروس و تقاریر میں بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام لوگوں کو اس کی توفیق دے۔ آمین۔

کلمہ شکر و تقدیر: سب سے پہلے اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے اس بحث کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی۔ پھر تہہ دل سے شکر یہ ادا کرتا ہوں اپنے والدین کا جنہوں نے تمام تر پریشانیوں کو برداشت کرتے ہوئے میری

پرورش کی اور ہمیشہ علم دین کی خدمت کا شوق دلایا۔ اسی طرح ان تمام حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس رسالہ کی تکمیل میں کسی بھی طرح کا کوئی تعاون پیش کیا۔ خصوصاً شیخ عبدالصبور حفظہ اللہ (پی. ایچ. ڈی. اسکالر، شعبہ علوم حدیث، جامعہ اسلامیہ، مدینہ نبویہ) کا جنہوں نے شروع سے لیکر آخر تک رسالہ کو پڑھا اور اپنے قیمتی ملحوظات سے نوازا۔ نیز شکر گزار ہوں شیخ ابوسلمان نوح عالم بن عبدالستار البخاری حفظہ اللہ (پی. ایچ. ڈی. اسکالر، شعبہ فقہ، جامعہ اسلامیہ، مدینہ نبویہ) کا جنہوں نے نہ صرف پورے رسالہ کو پڑھا بلکہ اپنے گراں قدر علمی تقریظ سے بھی نوازا۔ اسی طرح شکر گزار ہوں بھائی نسیم اختر بن سعید الرحمن حفظہ اللہ (ایم. اے. اسکالر، شعبہ فقہ السنہ، جامعہ اسلامیہ، مدینہ نبویہ) کا جنہوں نے پورے رسالہ کو اپنی دقت نظری کے ساتھ پڑھا اور بہت سارے علمی فوائد سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام اخوان کو ان کے احسان کا نیک بدلہ عطا فرمائے اور اسے ان کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر امان اللہ بن محمد اسماعیل المدنی حفظہ اللہ (مدرس مسجد نبوی شریف) کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اس رسالے کو اپنے علمی ادارے فیض ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، ارریہ، بہار، انڈیا سے چھپوا کر قارئین کرام تک پہنچانے کا بار گراں اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ شیخ کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے، ان کے ادارے کو حاسدین کی نظروں سے محفوظ رکھے اور اسے دن دو گنی ورات چو گنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین تقبل یارب العالمین۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ راقم الحروف کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اور جہاں کہیں بھی انہیں کوئی غلطی نظر آئے نیچے دئے گئے ایمیل کے ذریعہ

فوراً مطلع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایسے علم دوست اور خیر خواہ کو ان کی خیر خواہی کا اجر جزیل عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اپنے اس بندے کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور اس حقیر کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے، اور اسے راقم الحروف، اس کے والدین اور تمام اساتذہ کرام کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

فاروق عبد اللہ بن محمد اشرف الحق

جامعہ اسلامیہ مدینہ نبویہ، سعودی عرب

ایمیل: farooquefaizi@gmail.com

۱۹/۶/۱۴۳۷ھ بمطابق ۲۷/۳/۲۰۱۶ء

نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کا حکم

فرض نمازوں کی طرح نماز جنازہ بھی تکبیر تحریمہ سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہوتی ہے۔ جس طرح فرض نمازوں میں سلام پھیرنا ارکان الصلاۃ میں سے ہے اسی طرح نماز جنازہ میں بھی سلام پھیرنا اس کا ایک اہم رکن ہے۔ اس کے بغیر نماز جنازہ پوری نہیں ہوتی^(۱)۔

لیکن اس سلام کی تعداد کے بارے علماء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض علماء صرف ایک جانب سلام پھیرنے کے قائل ہیں تو بعض دونوں جانب سلام پھیرنے کو جائز اور مستحب قرار دیتے ہیں۔ ذیل میں ان دونوں قول کو ان کے ادلہ اور مناقشہ کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے۔

نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کی تعداد کے بارے میں علماء کرام کے اقوال

اس مسئلہ میں علماء کرام کے دو قول ہیں:

پہلا قول: نماز جنازہ سے فارغ ہوتے وقت دونوں جانب سلام پھیرنا مستحب ہے۔

علماء احناف نے اس قول کو اختیار کیا ہے^(۲)۔ یہی قول شافعیہ کے نزدیک اصح

(۱) دیکھیں: المجموع شرح المہذب للنووی (۵/۲۳۹)، والموسوعة الفقہیہ الکویتیہ (۲۰/۱۶)۔

(۲) تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لفخر الدین الزیلعی الحنفی (۱/۲۴۱)۔

ہے^(۱)۔ امام احمد کے دو قول میں سے یہ بھی ایک قول ہے^(۲)۔ مشہور تابعی عامر بن شراحیل الشبلی^(۳)، جابر بن زید^(۴) اور ابراہیم نخعی کا بھی یہی مذہب ہے^(۵)۔ اور امام ابن حزم الظاہری نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے^(۶)۔

اور معاصرین میں سے متعدد علماء کرام نے دونوں جانب سلام پھیرنے کو جائز اور مستحب قرار دیا ہے۔ جن میں سے مشہور الذکر علامہ البانی^(۷) و علامہ ابن عثیمین^(۸) رحمہما اللہ ہیں۔

اس قول کی دلیلیں:

(الف) سنت نبوی سے استدلال:

پہلی دلیل: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «ثلاث خلال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعلهن، تركهن الناس، إحداهن: التسليم

(۱) المجموع شرح المذهب للنووي (۵/۲۴۰)، ومغني المحتاج للخطيب الشرنبلالي (۲/۲۲)۔

(۲) المبدع في شرح المتق لا بن مفلح (۲/۲۵۵)، وكشاف القناع عن متن الإقناع للبهوتي (۲/۱۱۶)۔

(۳) مصنف ابن أبي شيبة (۲/۵۰۰) [۱۱۵۰۳] وشرح صحيح البخاري لابن بطل (۳/۳۱۶)۔

(۴) مصنف ابن أبي شيبة (۲/۵۰۰) [۱۱۴۹۷]۔

(۵) مصنف ابن أبي شيبة (۲/۵۰۰) [۱۱۵۰۸]۔

(۶) المحلى بالآثار لابن حزم (۳/۳۴۷)۔

(۷) أحكام الجنائز للأباني (ص ۱۶۲)۔

(۸) الشرح المتع على زاد المستق لا بن عثيمين (۵/۳۳۷)۔

على الجنائز مثل التسليم في الصلاة»۔

(تین خصلتیں ایسی ہیں جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے لیکن لوگوں نے چھوڑ دیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے: جنازہ میں سلام پھیرنا عام نماز میں سلام پھیرنے کی طرح ہے)۔

اس حدیث کو ابو بکر بن زیاد النیسابوری نے ”الزیادات علی مختصر المزنی“^(۱) میں، طبرانی نے ”المعجم الکبیر“^(۲) میں اور بیہقی نے ”السنن الکبریٰ“^(۳) میں موسیٰ بن ائین عن خالد خالد بن یزید ابی عبد الرحمن عن زید بن ابی انیسہ عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراہیم عن علقمہ والاسود عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

اس سند کے تمام روایات ثقہ ہیں سوائے حماد بن ابی سلیمان کے، ابن معین^(۴)، نسائی^(۵)، عیسیٰ^(۶) اور ذہبی^(۷) نے انہیں ”ثقة“ اور حافظ ابن حجر^(۸) نے ”صدوق لہ

(۱) (ص ۳۱۲-۳۱۳) [۱۶۰]۔

(۲) (۸۲/۱۰) [۱۰۰۲۲]۔

(۳) (۷۱/۴) [۶۹۸۹]۔

(۴) تہذیب الکمال للزہبی (۲۷۱/۷)۔

(۵) تہذیب الکمال للزہبی (۲۷۷/۷)۔

(۶) الثقات للعلی (ص ۱۳۱) [۳۳۱]۔

(۷) الکاشف للذہبی (۳۴۹/۱) [۱۲۲۱]۔

(۸) تقریب التہذیب (ص ۱۷۸) [۱۵۰۰]۔

اوہام“ کہا ہے جبکہ بعض دوسرے محدثین نے ان پر کلام کیا ہے۔
 معاصرین علماء کرام میں سے جنہوں نے علم حدیث کی تحقیق و تخریج میں نمایاں
 خدمات انجام دی ہیں ان میں سے علامہ محمد ناصر الدین الالبانی^(۱)، شیخ شعیب
 الارنؤوط^(۲)، شیخ بشار عواد معروف^(۳) اور شیخ ضیاء الرحمن الاعظمی^(۴) سب سے زیادہ
 معروف و مشہور شخصیات ہیں۔ ان تمام علماء کرام نے حماد بن ابی سلیمان کو حسن
 الحدیث کہا ہے۔
 اس لئے یہ حسن درجے کی حدیث ہے۔

مذکورہ حدیث پر علماء کرام کا حکم:

اولاً: جن علماء کرام نے مذکورہ حدیث کی تضعیف کی ہے:

تلاش بسیار کے باوجود متقدمین یا معاصرین میں سے کسی عالم کی جانب سے اس
 حدیث کی تضعیف ابھی تک مجھے دیکھنے کو نہیں ملی ہے سوائے بعض معاصرین کے:
 (۱)۔ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مختصر صحیح نماز نبوی کے آخری
 صفحے (۳۲) میں اس حدیث کی سند کو دو علتوں کی بنا پر ضعیف کہا ہے۔

(۱) ظلال الجنة في تخریج احادیث السنہ للالبانی (۲/۴۰۲) [۸۳۵]۔

(۲) تحریر تقریب التہذیب (۱/۳۱۹) [۱۵۰۰]۔

(۳) مصدر سابق۔

(۴) الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل (۴/۲۳۱)۔

۱۔ حماد بن ابی سلیمان مختلف ہیں اور یہ روایت قبل از اختلاط نہیں ہے۔

۲۔ حماد مذکور مدلس ہے اور روایت معنعن ہے۔

(۲)۔ مشرقی شمال ہند کے بعض علماء نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اور

انہوں نے حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی مذکورہ دو علتوں پر ایک علت کا اور ضافہ کیا ہے وہ یہ کہ ابراہیم غنمی مدلس ہیں اور انہوں نے اسے عنعنہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ذیل میں مذکورہ تینوں علتوں کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے:

پہلی علت: حماد بن ابی سلیمان مختلف ہیں اور یہ روایت قبل از اختلاط نہیں ہے۔

جائزہ: متقدمین علماء میں سے ابن سعد اور امام احمد بن حنبل نے حماد بن ابی

سلیمان کے اختلاط کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ذیل میں اس کی تفصیل ذکر کی جا رہی ہے۔

(۱)۔ ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اختلط في آخر أمره" (آخری زندگی

میں اختلاط کے شکار ہو گئے تھے) (۱)۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس اختلاط کی توضیح میں معمر بن راشد اور مغیرہ بن مقسم

سے دواثر نقل کئے ہیں۔

معمر فرماتے ہیں: "كان حماد بن أبي سليمان يصرع وإذا أفاق توضع"

(حماد کو مرگی کا عارضہ لاحق ہوتا تھا پھر جب افاقہ ہوتا تو وضوء کرتے) (۲)۔

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد (۶/۳۳۳)۔

(۲) طبقات المحدثين باب صبحان والواردين عليها لابي الشيخ الاصبهاني (۱/۳۲۹) [۲۵]، وسير اعلام

النبا للذهبي (۵/۲۳۵)۔

حافظ ذہبی نے ان کے وضوء کے سبب کو ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بیہوشی کی ایک قسم ہے جو نیند کے مانند ہے اس لئے اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے^(۱)۔

اور مغیرہ فرماتے ہیں: "کان حماد یصیبه المس فإذا أصابه شيء من ذلك، ثم ذهب عنه، عاد إلى الموضع الذي كان فيه" (حماد کو جنون طاری ہوتا تھا، جب انہیں یہ بیماری لاحق ہوتی اور پھر اس سے افاقہ ملتا تو جنون طاری ہونے سے پہلے جہاں تک پڑھے ہوتے افاقہ کے بعد وہیں سے شروع کرتے)^(۲)۔

نیز مغیرہ فرماتے ہیں: "سأل حماد إبراهيم، وكان له لسان سؤول، وقلب عقول، وكانت به موتة"^(۳)، وكان ربما حدثهم بالحديث فتعثر به فإذا أفاق أخذ من حيث انتهى"^(۴)۔

(حماد نے ابراہیم سے پوچھا۔ یعنی ان سے علم حاصل کیا۔ اور ان کے پاس سوالی زبان و عقل مند دل تھا، اور انہیں ہلکا پھلکا جنون بھی تھا، بسا اوقات وہ حدیث روایت کرتے اور اسی دوران انہیں یہ بیماری طاری ہو جاتی، پھر افاقہ ہونے کے بعد وہیں سے روایت کرنا شروع کرتے جہاں پر بیماری طاری ہونے سے پہلے چھوڑے ہوتے تھے)۔

(۱) سیر أعلام النبلاء للذهبي (۵/۲۳۵)۔

(۲) مصدر سابق۔

(۳) موتة یعنی ہلکا پھلکا جنون۔

(۴) الثقات للبخاری (ص ۱۳۱) [۳۳۱]۔

معمّر اور مغیرہ کی مذکورہ تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو مرگی یا جنون کی کوئی بیماری تھی لیکن وہ ان پر اس قدر غالب نہ تھی کہ اختلاط یا تلقین کے شکار ہو جائیں، بلکہ حدیث روایت کرتے، اسی دوران کبھی ان کو یہ بیماری لاحق ہوتی، لیکن افاقہ کے بعد پھر اسی جگہ سے شروع کرتے جہاں وہ عارضہ لاحق ہوا ہوتا تھا۔ یعنی وہ عارضہ ان کے حفظ کے لئے مغل نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

شاید اسی وجہ سے کتب المختلطین کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں ان کے ذکر سے اعراض کیا ہے۔ اور معاصر عالم شیخ محمد بن طلعت^(۱) اور شیخ عبدالقیوم بن عبدرب النبی^(۲) کے علاوہ دوسرے مصنفین نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

(۲)۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "حماد مقارب الحدیث ما روی عنه سفیان وشعبة والقدماء، قلت: هشام کیف سماعہ؟ قال: قلم۔"

(حماد مقارب الحدیث ہیں جب ان سے سفیان، شعبہ اور ان کے قدیم تلامذہ روایت کریں۔ میں نے پوچھا: ان سے هشام کی سماعت کیسی ہے؟ فرمایا: قدیم)^(۳)۔

(۱) مجمع المختلطین لمحمد بن طلعت (۷۸-۷۹) [۳۷]۔

(۲) شیخ نے الکواکب النیرات لابن الکیال کی تحقیق کے بعد کتاب مذکور پر بعض راویوں کا اضافہ کیا ہے اور (ص ۵۱۵) میں حماد بن ابی سلیمان کو ذکر کیا ہے۔

(۳) سوالات ابی داؤد لایمام احمد بن حنبل (ص ۲۹۱) [۳۳۸/د]۔

اور امام احمد سے روایت کرتے ہوئے اترم فرماتے ہیں: "أما روايات القدماء عن حماد فمقاربة، كشعبة وسفيان وهشام، وأما غيرهم، فقد جاؤوا عنه بأعاجيب."

قلت له: حجاج وحماد بن سلمة؟ فقال: حماد على ذاك لا بأس به، ثم قال أحمد: وقد سقط فيه غير واحد مثل محمد بن جابر وذاك، وأشار بيده، فظننا أنه عن سلمة الأحمر أو عن غيره^(۱).

(جہاں تک حماد سے ان کے قدیم تلامذہ کی روایتیں ہیں تو وہ متقارب ہیں جیسے شعبہ، سفیان اور ہشام کی روایت، اور ان کے علاوہ دوسرے رواۃ نے ان سے کچھ عجیب چیزیں روایت کی ہیں۔ میں نے کہا: حجاج اور حماد بن سلمہ؟ تو انہوں نے فرمایا: حماد کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔ پھر امام احمد نے فرمایا: ان سے روایت کرنے میں کئی لوگ ساقط ہوئے ہیں جیسے محمد بن جابر اور وہ۔ اور انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ تو ہمیں لگا کہ انہوں نے سلمہ الاحمر کو مراد لیا ہے یا کسی دوسرے کو)۔

حافظ ذہبی مذکورہ قول کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "إنما التخليط فيها من سوء حفظ الراوي عنه"^(۲).

(ان کی روایتوں میں تخلیط ان سے روایت کرنے والے رواۃ کے سوء حفظ کی بناء پر ہے)۔

(۱) سیر أعلام النبلاء (۵/۲۳۶).

(۲) مصدر سابق.

یعنی سبب التخلیط حماد بن ابی سلیمان نہیں بلکہ ان سے روایت کرنے والے سی الحفظ و ضعیف رواۃ ہیں۔ اس مقام پر حافظ ذہبی کا یہ قول بہت ہی اہم اور فیصلہ کن ہے۔ اور اس سے ان کے استنقاء کا پتہ چلتا ہے کہ کیوں آخر محدثین نے جب ان سے روایت کرنے والے رواۃ ثقہ ہوں تو ان کے حدیثوں کی تضعیف نہیں کی۔

اگر ان کو مختلط مان بھی لیا جائے پھر بھی امام احمد رحمہ اللہ نے حماد سے ان کے قدیم تلامذہ کی روایت کو مقارب و قابل قبول کہا ہے، مثلاً شعبہ، سفیان ثوری و ہشام الدستوائی کی روایت۔

مذکورہ حدیث میں ان سے روایت کرنے والے زید بن ابی انیسہ الرباوی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ بھی شعبہ، ثوری اور ہشام الدستوائی کی طرح قدیم تلامذہ میں سے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ امام احمد نے ان جیسے قدیم تلامذہ کی روایت کو قابل قبول کہا ہے۔ زید بن ابی انیسہ کی ولادت سن ۸۵ ہجری میں ہوئی ہے^(۱)۔ اسی سال شعبہ کی بھی ولادت ہوئی^(۲) جب کہ سفیان ثوری ان سے دس سال چھوٹے^(۳) اور ہشام الدستوائی ان سے نو سال بڑے ہیں^(۴)۔ پس ہشام کے علاوہ کوئی ان سے عمر میں بڑے

(۱) العبر فی خبر من غیر للذہبی (۱/۱۲۳)۔

(۲) الطبقات الکبریٰ لابن سعد (۷/۲۸۱)۔

(۳) الطبقات الکبریٰ لابن سعد (۷/۲۸۱)۔

(۴) تہذیب الکمال للزہری (۳۰/۲۲۲)۔

نہیں ہیں۔ لہذا اگر شعبہ و ثوری ان کے قدیم تلامذہ میں سے ہیں تو زید بن ابی انیسہ بھی قدیم ہونگے۔ واللہ اعلم۔

اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ زید بن ابی انیسہ گرچہ کوئی الاصل ہیں لیکن ان کی رہائش کوفہ میں نہیں بلکہ بلاد جزیرہ کے ایک شہر ”رہا“ میں تھی اور وہیں پر ان کی وفات بھی ہوئی ہے^(۱)۔ مغطائی فرماتے ہیں: ”کان مفتی أهل الرها في زمنه“ (اپنے زمانے میں یہ اہل رہا کے مفتی تھے)^(۲)۔ اور ذہبی فرماتے ہیں: ”کان عالم الجزيرة في زمانه“ (اپنے زمانے میں یہ جزیرہ کے عالم تھے)^(۳)۔ لہذا انہوں نے ”رہا“ میں سکونت اختیار کرنے سے پہلے ہی حماد بن ابی سلیمان سے سنا ہو گا کیونکہ یہ کوئی الاصل ہیں اور حماد بھی کوئی ہیں۔ اور زید بن ابی انیسہ و حماد بن ابی سلیمان کی وفات کے درمیان کوئی خاص لمبا فاصلہ بھی نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ انہوں نے حماد کی آخری زندگی میں ان سے سنا ہے اور پھر بعد میں ”رہا“ تشریف لے گئے تھے اور وہاں رہائش اختیار کی تھی۔ بلکہ ایک قول کے مطابق تو دونوں کی وفات ایک ہی سال سن ۱۱۹ ہجری میں ہوئی ہے^(۴)۔ اس لئے ظاہر ہے کہ انہوں نے کافی پہلے ہی سنا ہو گا، حماد کی آخری زندگی میں نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱) الطبقات الکبری لابن سعد (۷/ ۴۸۱)، وفتح الباری لابن حجر (۱/ ۴۰۴)۔

(۲) إكمال تهذيب الكمال لمغطائی (۵/ ۱۳۳)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (۶/ ۸۸)۔

(۴) الطبقات الکبری لابن سعد (۷/ ۴۸۱)، والتاریخ الکبیر للبخاری (۳/ ۱۹)۔

پس مذکورہ تفصیل سے کئی اہم باتوں کا پتہ چلتا ہے:

(۱)۔ ابن سعد کے قول کے مطابق ان کو اختلاط کی بیماری آخری زندگی میں ہوئی

تھی۔

(۲)۔ ابن سعد کے قول کی تفسیر ذہبی نے معمر اور مغیرہ کے دواثر سے کیا ہے

جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو مرگی یا جنون کی کوئی بیماری تھی لیکن وہ ان پر اس قدر غالب نہ تھی کہ ان کے حفظ کے لئے مؤثر اور مغل ہو۔

(۳)۔ کتب المختلطين میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا اور معاصر عالم شیخ محمد بن طلعت اور شیخ عبدالقیوم کے علاوہ کسی نے کتب المختلطين میں ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۴)۔ امام احمد نے شعبہ، ثوری، ہشام الدستوائی اور ان کے ”قدیم تلامذہ“ کی

روایت کو قابل قبول اور محمد بن جابر بن زید جیسے روات کی روایت کو ساقط الاعتبار کہا ہے۔

(۵)۔ حافظ ذہبی نے امام احمد کے قول کی یوں تفسیر کی ہے کہ سبب التخلیط حماد

بن ابی سلیمان نہیں بلکہ ان سے روایت کرنے والے سبب الحفظ وضعیف روات ہیں۔ اور زید بن ابی انیسہ ثقہ ہیں۔

(۶)۔ زید بن ابی انیسہ کے مذکورہ ترجمے سے ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے حماد سے

ان کی آخری زندگی میں نہیں بلکہ پہلے سنا ہے۔

اس لئے زید بن ابی انیسہ کی مذکورہ روایت کو «حماد بن ابی سلیمان مختلط ہیں اور

یہ روایت قبل از اختلاط نہیں ہے» کہہ کر رد کرنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بعض علماء نے ان کے اختلاط کے سلسلے میں بیٹی کے ”مجمع الزوائد“^(۱) کی طرف ایک قول کی نسبت کی ہے۔ ”مجمع الزوائد“ میں بیٹی نے یہ قول امام بخاری رحمہما اللہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن مجھے ”التاریخ الکبیر“ وغیرہ میں ان کے ترجمہ میں ایسا کچھ بھی نہیں ملا ہے، اور نہ متقدمین میں سے کسی دوسرے نے ان سے ایسا کچھ نقل کیا ہے۔ ”مجمع الزوائد“ کے محقق شیخ سلیم اسد الدارانی ان کے اس نسبت کے تعلق سے لکھتے ہیں:

"لم أقع على هذا الكلام فيما لدي من مصادر، وحماد بن أبي سليمان لم يرم بالاختلاط، ولكن البخاري قال مثل هذا الكلام تقريباً في أبي إسحاق السبيعي، والله أعلم"^(۲).

(میرے پاس جو مصادر ہیں ان میں مجھے یہ کلام نہ ملا، اور حماد بن ابی سلیمان پر اختلاط کا الزام نہیں لگایا گیا ہے، لیکن امام بخاری نے تقریباً اسی طرح کی بات ابو اسحاق السبعی کے بارے کہا ہے، واللہ اعلم)۔

شیخ سلیم اسد الدارانی کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ بیٹی نے ”مجمع الزوائد“ میں مذکورہ حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کوئی نکیر نہیں کی ہے بلکہ یوں کہا ہے:

"رواه الطبراني في الكبير، ورجاله ثقات"^(۳).

(اسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے، اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں)۔

(۱) (۲۲۰/۲).

(۲) مجمع الزوائد للهيثمی (۲۲۰/۲).

(۳) مجمع الزوائد و منبع الفوائد (۳/۳۴).

دوسری علت: حماد بن ابی سلیمان مدلس ہیں اور یہ روایت معنعن ہے۔
جائزہ: امام حاکم رحمہ اللہ نے ”المدخل إلی معرفة کتاب الإکلیل“ میں حماد بن ابی سلیمان کو مدلس کہا ہے^(۱)۔

اور حافظ ابن حجر نے ”تعریف أهل التقديس“^(۲) میں اور شیخ حماد انصاری نے ”اتحاف ذوي الرسوخ بمن روى بالتدليس من الشيوخ“^(۳) میں انہیں مدلسین کے دوسرے مرتبہ میں شمار کیا ہے۔ جبکہ شیخ مسفر الدینی فرماتے ہیں کہ ندرت تدلیس کی بناء پر انہیں مدلسین کے پہلے طبقے میں رکھنا چاہئے^(۴)۔

مدلسین روایات کے متعلق جو دوسری قدیم مصنفات موجود ہیں مثلاً: حافظ عراقی کی کتاب ”المدلسین“، سبط ابن العجمی کی ”التبيين لأسماء المدلسين“ اور سیوطی کی ”أسماء المدلسين“ ان میں حماد بن ابی سلیمان کا کوئی تذکرہ نہیں ملا۔
محدثین کرام نے مدلسین کی روایتوں اور ان کے متعلق علماء جرح و تعدیل کے اقوال کا سبر و استقراء کرنے کے بعد مدلسین روایات کو پانچ مراتب اور طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

الأولى: من لم يوصف بذلك إلا نادراً كيحيى بن سعيد الأنصاري.

(۱) المدخل إلی معرفة کتاب الإکلیل لأبي عبد الله الحاکم (ص ۱۱۴).

(۲) (ص ۳۰) [۴۵].

(۳) (ص ۳۴) [۳۷].

(۴) التدليس في الحديث للشيخ مسفر الدینی (ص ۱۹۶)۔

بغیة اهل الحاجة في بيان عدد التسليم في صلاة الجنازة

الثانية: من احتمل الأئمة تدليسه وأخرجوا له في الصحيح لإمامته وقلة تدليسه في جنب ما روى كالثوري أو كان لا يدلس إلا عن ثقة كابن عيينة.

الثالثة: من أكثر من التدليس، فلم يحتج الأئمة من أحاديثهم إلا بما صرحوا فيه بالسماع، ومنهم من رد حديثهم مطلقاً، ومنهم من قبلهم، كأبي الزبير المكي.

الرابعة: من اتفق على أنه لا يحتج بشيء من حديثهم إلا بما صرحوا فيه بالسماع لكثرة تدليسهم على الضعفاء والمجاهيل كبقية بن الوليد.

الخامسة: من ضعف بأمر آخر سوى التدليس فحديثهم مردود ولو صرحوا بالسماع إلا أن يوثق من كان ضعفه يسيراً كابن لهيعة.

پہلا طبقہ: جسے نادر ہی تدلیس کے وصف سے موصوف کیا گیا ہو، جیسے یحییٰ بن سعید الانصاری ہیں۔

دوسرا طبقہ: جن کی تدلیس کو ائمہ کرام نے برداشت کیا ہے اور امامت و بے شمار مرویات کے مقابلہ میں قلت تدلیس کی بناء پر جن کی حدیثوں کو صحیح میں روایت بھی کیا ہے جیسے کہ ثوری ہیں، یا جو صرف ثقہ راویوں سے ہی تدلیس کرتے ہیں جیسے کہ ابن عیینہ ہیں۔

تیسرا طبقہ: جنہوں نے کثرت سے تدلیس کی، اس لئے ائمہ کرام نے ان کی صرف ان روایتوں سے احتجاج کیا جن میں انہوں نے سماع کی صراحت کی، ان میں سے بعض نے ان کی حدیثوں کو مطلقاً رد کر دیا اور بعض نے قبول کیا جیسے کہ ابو الزبیر المکی ہیں۔

چوتھا طبقہ: جن کے بارے میں ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ ان کی صرف ان

روایتوں سے احتجاج کیا جائیگا جن میں انہوں نے سماع کی صراحت کی ہے، کیونکہ ان سے بکثرت تدلیس واقع ہوئی ہے۔

پانچواں طبقہ: تدلیس کے علاوہ بھی دوسرے اسباب کی بناء پر جنہیں ضعیف کہا گیا ہے ان کی حدیثیں مردود ہیں اگرچہ سماع کی صراحت کر دیں، الا یہ کہ جن میں ضعف یسیر ہے اگر ان کی توثیق کر دی جائے تو وہ قابل قبول ہو سکتے ہیں جیسے کہ ابن لہیعہ^(۱) ہیں۔

اس میں پہلے دو طبقوں کے مدلسین کی معنعن روایتوں کو ندرت یا قلت تدلیس کی بناء پر اتصال و سماع پر محمول کیا گیا ہے۔ اور تیسرے طبقے کے بعد سے سماع کی شرط لگائی گئی ہے۔ یعنی پہلے دو طبقوں کے روات اگر عنعنہ کے ساتھ کسی حدیث کو روایت کرے اور اپنے شیخ سے تحدیث کی صراحت نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے، اور ان کا عنعنہ مقبول ہوتا ہے۔ الا یہ کہ کسی خاص روایت کے اندر قرآن اور ادلہ سے ان کی تدلیس ثابت ہو جائے تو ایسی صورت میں تدلیس کی بناء پر ان کی متعینہ حدیثوں کو ضعیف کہا جائیگا۔

اور حماد بن ابی سلیمان کو جیسا کہ گذرا کہ حافظ ابن حجر اور شیخ حماد انصاری نے دوسرے مرتبے میں اور شیخ مسفر الدینی نے پہلے مرتبے میں شمار کیا ہے جبکہ حافظ

(۱) دیکھیں: جامع التحصیل فی احکام المراسیل للعلائی (ص ۱۱۳)، و تعریف اہل التقدیس لابن حجر (ص ۱۳-۱۴) واللفظ لہ، و اتحاف ذوی الرسوخ بمن روی بالتدلیس من الشیوخ لجماد الانصاری (ص ۱۰-۱۱)، و التدریس فی الحدیث للدینی (ص ۱۳۹-۱۴۵)۔

عراقی، سبط ابن العجمی اور سیوطی نے مدلسین کے اندر ان کا تذکرہ ہی نہیں کیا ہے۔ اس لئے ان کا عنعنہ مضر نہیں بلکہ اسے اتصال و سماع پر محمول کیا جائیگا۔ واللہ اعلم۔

پس حدیث مذکور کو «حماد مذکور مدلس ہے اور روایت معنعن ہے» کہہ کر ضعیف قرار دینا درست نہیں۔

تنبیہ: مندرجہ بالا باتیں میں نے محدثین کرام کے عام اور مشہور منہج کو پیش نظر رکھ کر کہی ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کا مدلسین روایت کے تعلق سے فیصلہ یہ ہے کہ جن سے زندگی میں ایک بار تدلیس ثابت ہو جائے ان کی کسی بھی روایت کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جائیگا جب تک کہ وہ تحدیث کی صراحت نہ کر دے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومن عرفناه دلس مرة فقد أبان لنا عورته في روايته، وليست تلك العورة بالكذب فنرد بها حديثه، ولا النصيحة في الصدق فنقبل منه ما قبلنا من أهل النصيحة في الصدق، فقلنا لا نقبل من مدلس حديثًا حتى يقول فيه حدثني أو سمعت" (۱)۔

(جن کے متعلق ہمیں ایک مرتبہ تدلیس کرنے کا علم ہو گیا تو اس نے ہم پر اپنے روایت کے عیوب کی خود ہی نقاب کشی کر دی، لیکن ان کا یہ عیب دروغ گوئی نہیں کہ ان کی حدیثوں کو ہم رد کر دیں اور نہ سچائی میں خیر خواہی ہی ہے کہ ان سے بھی اسی طرح قبول کریں جیسے راست بازوں سے قبول کیا تھا، اس لئے ہمارا کہنا ہے کہ مدلس سے

(۱) الرسالة للإمام الشافعي (ص ۳۷۹-۳۸۰)۔

ہم تب تک کوئی حدیث قبول نہیں کریں گے جب تک کہ وہ روایت کرتے ہوئے ”حدیثی“ یا ”سمعت“ کی صراحت نہ کر دے۔

اور تقریباً یہی موقف خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے بھی ”الکفایۃ“^(۱) میں اختیار کیا ہے۔

شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے مدلسین روات کے تعلق سے امام شافعی کے منہج کو ہی اختیار کیا ہے۔ نیز برصغیر کے چند دوسرے علماء بھی ان کی موافقت کرتے ہیں۔ شیخ کے نزدیک مدلسین کے پانچ مراتب نہیں بلکہ صرف تین ہی مراتب ہیں۔ حافظ علائی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے جن پانچ مراتب کا ذکر کیا ہے اور جسے ان کے بعد آنے والے تمام محدثین نے بالاتفاق قبول کیا ہے اس سے انہوں نے پہلے دو طبقوں کو حذف کر دیا ہے۔ اور ان تمام روات کو جسے حافظ علائی اور حافظ ابن حجر نے ان دو طبقوں میں ذکر کیا تھا ان سے یا تو سرے سے تالیس کی ہی نفی کی ہے یا پھر تیسرے، چوتھے یا پانچویں طبقے میں اپنے اجتہاد کے مطابق انہیں ٹرانسفر کر دیا ہے۔ واللہ المستعان۔

جب کہ جمہور محدثین کرام کا موقف یہ ہے کہ تمام مدلسین ایک مرتبے اور ایک درجے کے نہیں ہیں۔ ان کے مختلف درجات اور مراتب ہیں اور اسی طرح ان کی معین روایتوں کا حکم بھی مختلف ہے۔ پس قلیل التدلیس یا صرف ثقہ راویوں سے

(۱) (۳۸۹/۲)۔

تدلیس کرنے والے راویوں کا عنعنہ مضر نہیں بلکہ انہوں نے اسے اتصال و سماع پر محمول کیا ہے۔

اگر امام شافعی و خطیب بغدادی کے مذکورہ موقف کو تسلیم کر لیا جائے تو ایسی بے شمار حدیثوں کو ضعیف کہنا پڑے گا جن کو ائمہ حدیث اور نقاد فن نے صحیح قرار دیا ہے۔ بلکہ صحیحین کی بے شمار حدیثیں ان پہلے دو طبقوں کے روایات سے عنعنہ کے ساتھ ہی مروی ہیں اور کسی دوسرے طریق سے تحدیث یا سماع کی کوئی صراحت نہیں ملتی۔ مزید تفصیلات کے لئے ڈاکٹر عواد الخلف کا مابستیر کا رسالہ: ”روایات المدلسین فی صحیح مسلم“ اور دکتورہ کا رسالہ ”روایات المدلسین فی صحیح البخاری“ کی طرف رجوع کرنا مفید ہو گا۔

حافظ بدر الدین زرکشی امام شافعی کے مذکورہ قول کا تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”وہو نص غریب لم یحکمه الجمهور“^(۱)۔

(یہ انتہائی غریب دلیل ہے، جمہور کا یہ فیصلہ نہیں)۔

اور شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمن السعد ”منہج المتقدمات فی التدلیس“ کی تقدیم^(۲)

میں فرماتے ہیں:

”هذا الأقرب أنه كلام نظري بل لعل الشافعي لم يعمل به هو، فقد روى لابن جريج في مواضع من كتبه بعضه محتجا به بالعننة، ولم يذكر

(۱) النکت علی کتاب ابن الصلاح للزرکشی (۲/۸۷)۔

(۲) (ص ۲۳)۔

الشافعي أن ابن جريج سمع هذا الخبر ممن حدث عنه ينظر ٤٩٨ ، ٨٩٠ ، ٩٠٣ من الرسالة، وأبو الزبير أيضا ، ينظر: ٤٩٨ ، ٨٨٩ ، والأمثلة على هذا كثيرة لمن أراد أن يتبعها" .

(اقر ب یہ ہے کہ یہ کلام صرف نظریات کی حد تک ہے، بلکہ شاید خود امام شافعی نے اس پر عمل نہ کیا ہو، پس انہوں نے اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر ابن جریج کے معنعن روایت سے احتجاج کیا ہے، اور امام شافعی نے یہ بیان نہیں کیا ہے کہ ابن جریج نے یہ حدیث اپنے شیخ سے سنی ہے۔ بطور مثال ”الرسالہ“ میں حدیث نمبر ۴۹۸، ۸۹۰، اور ۹۰۳ کا ملاحظہ فرمائیں، اسی طرح ابو الزبیر کا معاملہ ہے، بطور مثال حدیث نمبر ۴۹۸ اور ۸۸۹ کو دیکھیں، جو شخص تتبع کرنا چاہے ان کے لئے اس طرح کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں)۔

اور شیخ ناصر بن حمد الفہد اپنی کتاب ”منہج المتقدين في التدریس“^(۱) میں فرماتے

ہیں:

"هذا القول للشافعي رحمه الله لا يوافقه عليه أئمة الحديث كما سبق، ونقلت عن الإمام أحمد وابن المديني وابن معين والفسوي وغيرهم، ... ولو أخذنا بقول الشافعي رحمه الله تعالى لرددنا أحاديث صحيحة كثيرة لم يردّها أحد حتى من الشافعية أنفسهم، فإنهم لما قسموا مراتب المدلسين جعلوا المراتب الأولى من وقع الاتفاق على قبول عنعتهم مع أنهم دلسوا، فدل على أن هذا القول لم يقل به أحد حتى من أهل مذهبه".

(۱)(ص ۱۷۱)۔

(جیسا کہ گذر امام شافعی کے اس قول کی موافقت محدثین نہیں کرتے۔ جیسا کہ امام أحمد، ابن المدینی، ابن معین اور فسوی وغیرہ کا قول میں نے نقل کیا..... اگر امام شافعی کی بات تسلیم کر لیں تو بہت ساری ایسی صحیح حدیثوں کو رد کرنا پڑے گا جسے کسی نے رد نہیں کیا ہے یہاں تک کہ شوافع نے بھی نہیں، انہوں نے جب مدلسین کے مراتب بنائے تو پہلا مرتبہ ان رواد کا بنایا جن کے عنعنہ کو قبول کرنے پر اتفاق ہو چکا ہے گرچہ انہوں نے تدلیس کی ہو، پس پتہ چلا کہ اس قول کی اتباع کسی نے نہیں کی ہے، یہاں تک کہ ان کے مذہب کے ماننے والوں نے بھی نہیں)۔

اس لئے شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کا اختیار کردہ مذکورہ موقف مرجوح ہے۔ اس منہج پر چلتے ہوئے حدیثوں کی تضعیف درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

تیسری علت: ابراہیم نخعی مدلس ہیں اور انہوں نے اسے عنعنہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ابراہیم نخعی کو حافظ ابن حجر نے ”تعریف اہل التقدیس“^(۱) میں مدلسین کے دوسرے مرتبہ میں شمار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام حاکم نے انہیں تدلیس کی صفت سے موصوف کیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ وہ کبھی اپنے اور عبد اللہ بن مسعود کے درمیان ان کے تلامذہ مثلاً ہنی بن نویرہ، سہم بن منجاب اور خزائمہ الطائی کو داخل کرتے اور بسا اوقات

(۱) (ص ۲۸) [۳۵]۔

ان کے ساتھ تدلیس سے کام لیتے (یعنی انہیں حذف کر کے براہ راست ابن مسعود سے روایت کرتے)۔

عبداللہ بن مسعود کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی ہے^(۱)، اور اس وقت تک ابراہیم کی کی پیدائش تک نہ ہوئی تھی^(۲)، لہذا اگر وہ کسی واسطہ کو حذف کر کے ان سے مباشرة روایت کریں تو ایسی حدیث انقطاع ظاہر کی بناء پر منقطع یا مرسل کہلاتی ہے تدلیس نہیں۔

لیکن حافظ مزی نے ان کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے کہ وہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان سے روایت بھی کی ہے^(۳)۔ اور ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ کسی صحابی سے ان کی ملاقات نہیں ہے سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے، اور ان سے بھی سنا نہیں ہے^(۴)۔ اس حیثیت سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی روایت تدلیس کے قبیل سے ہوئی^(۵)۔

لیکن حافظ ابن حجر نے اسے مرتبہ ثانیہ میں شمار کیا ہے جن کا عنعنہ سماع اور اتصال پر محمول ہوتا ہے جیسا کہ دوسری علت کے جواب میں تفصیل سے گذرا۔

(۱) مشاہیر علماء الأمصار لابن حبان (ص ۲۹) [۲۱]۔

(۲) الطبقات الکبریٰ لابن سعد (۶/۲۸۴)۔

(۳) تہذیب الکمال (۲/۲۳۵)۔

(۴) المراسیل لابن ابی حاتم (۹/۲۱)۔

(۵) نزہۃ النظر لابن حجر (ص ۱۰۳-۱۰۴)۔

یہ تو ابراہیم نخعی کی عمومی روایتوں کی بات تھی۔ اب آتے ہیں حدیث الباب پر، اس میں انہوں نے حدیث مذکور کو عن علقمہ والأسود عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے مرفوعاً متصلً روایت کیا ہے۔ ابن مسعود سے مرسلًا نہیں جیسا کہ کبھی کبھار کرتے ہیں۔ بلکہ ابن مسعود کے دو سب سے جلیل القدر شاگرد علقمہ و اسود سے روایت کیا ہے۔ اور اس طریق کا ضعیف ہونا تو دور کی بات ابن مبارک، عجل اور نسائی نے اسے ارجح الاسانید و احسنہا اور ابن معین نے اصح الاسانید عن ابن مسعود شمار کیا ہے^(۱)۔

اس نظیف سند سے معنعناً صرف صحیحین میں متعدد حدیثیں موجود ہیں۔ ملاحظہ ہوں صحیح بخاری حدیث نمبر ۳۲، ۱۲۵، ۴۰۴، ۱۱۹۹، ۱۲۱۶، ۱۲۲۶، ۳۲۳۳، ۳۳۱۷، ۳۳۶۰، ۳۳۲۸، ۳۴۲۹، ۳۵۷۹، ۳۸۷۵، ۴۵۰۳، ۴۶۲۹، ۴۷۲۱، ۴۷۷۶، ۴۸۵۸، ۴۸۸۶، ۴۸۸۷، ۴۹۳۰، ۵۹۴۳، ۵۹۴۴، ۵۹۴۸، ۶۶۷۱، ۶۹۱۸، ۶۹۳۷، ۷۲۴۹، ۷۲۹۷، ۷۴۵۱، ۷۴۵۶، ۷۴۶۲۔

اور صحیح مسلم حدیث نمبر ۹۱، ۱۲۴، ۱۳۳، ۴۳۲، ۴۵۰، ۵۳۸، ۵۷۲، ۸۰۱، ۱۴۹۵، ۲۱۲۵، ۲۴۵۹، ۲۷۹۴۔

اس لئے یہ علت خود معلول ہے، اس علت کی بناء پر کسی حدیث کو ضعیف قرار دینا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱) دیکھیں: الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی (۲/۱۲۳)، والباعث الخیث لابن کثیر (ص ۲۲)، وتدریب الراوی للسیوطی (۱/۸۵)۔

ثانیا: جن علماء کرام نے مذکورہ حدیث کی تحسین یا تصحیح کی ہے۔

۱۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ”المہذب فی اختصار السنن الکبیر للبیہقی“^(۱) میں اس کی سند کو صالح کہا ہے۔

۲۔ امام نووی رحمہ اللہ ”خلاصۃ الأحکام“^(۲) میں مذکورہ حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”رواہ البیہقی بإسناد جید“۔

(امام بیہقی نے اسے جید سند سے روایت کیا ہے)۔

۳۔ علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”مجمع الزوائد“^(۳) میں ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: ”رواہ الطبرانی فی الکبیر، ورجالہ ثقات“۔

(طبرانی نے اسے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے، اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں)۔

۴۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”أحكام الجنائز“^(۴) میں حسن کہا ہے۔

۵۔ ڈاکٹر ابو احمد محمد عبد اللہ (ضیاء الرحمن) الاعظمی حفظہ اللہ نے ”الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل“^(۵) میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

(۱) (۱۳۸۷/۳) [۶۲۱۰]۔

(۲) (۹۸۲/۲)۔

(۳) (۳۴/۳)۔

(۴) (ص ۱۶۲)۔

(۵) (۲۳۱/۴)۔

۶۔ ڈاکٹر خالد بن ہایف بن عریج المطیری نے ”الزیادات علی مختصر الزنی“ کی تحقیق^(۱) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

۷، ۸، ۹۔ ڈاکٹر مصطفیٰ الحنن، ڈاکٹر مصطفیٰ البغا اور شیخ علی الشربجی نے ”الفقه المنهجي علی مذهب الإمام الشافعي“^(۲) میں اس کی سند کو جید کہا ہے۔

۱۰۔ شیخ أبو حذیفہ ہشام الجزازی نے صلاة الجنائزہ کی صفت بیان کرتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کرنے کے بعد احالہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے: ”البیہقی بإسناد حسن“^(۳)۔

۱۱۔ شیخ احمد الجراح نے صلاة الجنائزہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کرنے کے بعد کہا ہے: ”أخرجه البيهقي بإسناد حسن“^(۴)۔

(امام بیہقی نے اسے حسن سند سے روایت کیا ہے)۔

۱۲۔ شیخ عادل یوسف العزازی نے اپنے مقالہ ”کیفیه صلاة الجنائزہ“ میں اسے حسن کہا ہے^(۵)۔

(۱) (ص ۳۱۳)۔

(۲) (۱/۲۵۵)۔

(۳) دیکھیں: آرشیف مندی الآلو کہ میں ۷ / اگست ۲۰۰۷ م، صبح ۴:۰۰ بجے شیخ کا مشارکہ۔

(۴) دیکھیں: آرشیف ملقی آبل الحدیث میں ۳/۱۲ / ۲۰۰۷ م، صبح ۲:۱۱ بجے شیخ کا مشارکہ۔

(۵) دیکھیں:

- ۱۳۔ شیخ عبدالرحمن ولد شعیب نے اسے حسن کہا ہے ^(۱)۔
- ۱۴۔ ڈاکٹر عادل مبارک المطیرات فرماتے ہیں: دونوں جانب سلام پھیرنا سنن بیہقی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے ^(۲)۔
- ۱۵۔ ڈاکٹر ناصر بن محمد الاحمد نے اس کی سند کو حسن کہا ہے ^(۳)۔
- ۱۶۔ شیخ عبدالعظیم بن بدوی بن محمد نے ”الوجیز فی فقہ السنۃ والکتاب العزیز“ ^(۴) میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔
- ۱۷۔ شیخ حسین بن عودہ العوایشہ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے ^(۵)۔
- ۱۸۔ شیخ محمد بن عمر بن سالم باز مول نے ”بغیۃ المتطوع فی صلاۃ التطوع“ ^(۶) میں اس

(۱) دیکھیں:

<http://a-chouaib.com/index.php/e-۲۸-۰۶-۲۰۱۲-۲۶۰۹/۵۴۷۶>

۲۳-۲۸-۱۸.html

(۲) دیکھیں:

<http://ftawa.ws/fw/showthread.php?t=۶۷۵۴۸>

(۳) دیکھیں:

<http://alahmad.com/view/۸۴>

(۴) (ص ۱۷۷-۱۷۸)۔

(۵) الموسوعة الفقهية الميسرة (۴/ ۱۴۳-۱۴۴)۔

(۶) (ص ۱۴۹)۔

اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

مذکورہ حدیث سے استدلال کا طریقہ:

یہ حدیث حسن درجہ کی ہے، اس کی مفصل تخریج اور بعض معاصرین کی تضعیف کا مدلل جواب گزر چکا۔ اس حدیث میں ابن مسود رضی اللہ عنہ نے صلاة الجنازة کی تسلیم کو صلوات مفروضہ کی تسلیم کے مشابہ اور مماثل قرار دیا ہے۔ پس جس طرح صلوات مفروضہ سے فارغ ہوتے وقت دونوں جانب سلام پھیرنا مشروع و مسنون ہے اسی طرح صلاة الجنازة سے بھی فارغ ہوتے وقت دونوں جانب سلام پھیرنا مشروع و مسنون ہوگا۔ کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ صلوات مفروضہ میں ایک جانب سلام پھیرنے پر اکتفاء کرنا بھی جائز ہے اس لئے اس سے دونوں جانب سلام پھیرنے پر دلیل لینا صحیح نہیں تو اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قد ثبت في صحيح مسلم وغيره عن ابن مسعود أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يسلم تسليمتين في الصلاة، فهذا يبين أن المراد بقوله في الحديث الأول: «مثل التسليم في الصلاة» أي التسليمتين المعهودتين. ويحتمل أنه يعني بالإضافة إلى ذلك أنه كان يسلم تسليمة واحدة أيضًا، بالنظر إلى أن ذلك كان من سنته صلى الله عليه وسلم في الصلاة أيضًا، أي أنه صلى الله عليه وسلم كان تارة يسلم تسليمتين وتارة تسليمة واحدة، لكن الأول أكثر، غير أن هذا الاحتمال فيه بعد لأن التسليمة الواحدة وإن كانت

ثابتة عنه صلى الله عليه وسلم لكن لم يروها ابن مسعود فلا يظهر أنها تدخل في قوله المذكور : «مثل التسليم في الصلاة». والله أعلم^(۱).

(صحیح مسلم وغیرہ میں ابن مسعود سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دونوں جانب سلام پھیرتے تھے، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں ”مثل التسليم في الصلاة“ سے ان کی مراد معهود دونوں جانب سلام پھیرنا ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے مذکورہ نسبت سے ایک جانب سلام پھیرنا بھی مراد لیا ہو کیونکہ نماز میں ایک جانب سلام پھیرنا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دونوں جانب سلام پھیرتے تھے اور کبھی صرف ایک جانب، لیکن آپ کا زیادہ تر عمل پہلے پر تھا۔ لیکن یہ احتمال بعید تر ہے اس لئے کہ ایک جانب سلام پھیرنا گرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لیکن اسے ابن مسعود نے روایت نہیں کیا ہے۔ اس لئے نہیں لگتا کہ ان کے مذکورہ قول ”مثل التسليم في الصلاة“ میں یہ داخل ہو گا۔ واللہ اعلم۔

نیز سلف صالحین کے فہم سے بھی اس حدیث سے دونوں جانب سلام پھیرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ ذیل میں اسے ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ حافظ بیہقی نے ”السنن الکبریٰ“ میں اس حدیث کو ”باب من قال يسلم عن يمينه وعن شماله“ کے تحت ذکر کیا ہے^(۲)، جس سے اس حدیث سے ان کا مذکورہ ترجمۃ الباب پر استدلال کرنا ثابت ہوتا ہے۔

(۱) احکام الجنائز و بدعہ اللابی، (ص ۱۶۲)۔

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی (۴/ ۷۱)۔

۲۔ علامہ عینی نے ”عمدة القاری“^(۱) میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے أدلہ کے ضمن میں اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔

۳۔ ابواسحاق الشیرازی نے ”المہذب فی فقہ الامام الشافعی“^(۲) میں اسی حدیث سے دونوں جانب سلام پھیرنے پر استدلال کیا ہے۔

جہاں تک معاصرین علماء کرام کی بات ہے تو سابقہ بحث میں جن کی نسبت سے اس حدیث کی تحسین یا تصحیح گزری ان میں سے اکثر علماء کرام نے اس سے دونوں جانب سلام پھیرنے پر استدلال کیا ہے۔

ڈاکٹر ابو احمد محمد عبد اللہ (ضیاء الرحمن) الاعظمی حفظہ اللہ ”الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل“^(۳) میں ”کتاب الجنائز“، باب ماجاء فی تسلیمتین کے اندر فرماتے ہیں:

"قوله: (مثل التسليم في الصلاة) أي الصلوات المفروضة، وقد ثبت عن عبد الله بن مسعود وغيره أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يسلم تسليمتين في الصلاة".

(قوله: "مثل التسليم في الصلاة" یعنی فرض نمازیں ہیں۔ اور عبد اللہ بن مسعود وغیرہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نماز میں دونوں جانب سلام پھیرتے تھے)۔

(۱) (۱۲۳/۸)۔

(۲) (۲۴۸/۱)۔

(۳) (۲۳۱/۴)۔

دوسری دلیل: عن إبراهيم الهجري، قال: أمنا عبد الله بن أبي أوفى على جنازة ابنته فكبر أربعًا، فمكث ساعة حتى ظننا أنه سيكبر خمسًا، ثم سلم عن يمينه وعن شماله، فلما انصرف، قلنا له: ما هذا؟ قال: "إني لا أزيدكم على ما رأيتم رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع"، أو "هكذا صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم".

(ابراہیم الہجری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: عبد اللہ بن ابی آوفی نے اپنی لڑکی کے جنازہ میں ہماری امامت فرمائی تو چار تکبیریں کہیں، پھر تھوڑی دیر کے تو ہم نے سوچا عنقریب وہ پانچویں تکبیر کہیں گے، پھر انہوں نے اپنے داہنے اور بائیں جانب سلام پھیرا، جب فارغ ہوئے تو ہم نے ان سے کہا: یہ کیا ہے؟ فرمایا: میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو جس طرح کرتے ہوئے دیکھا اس پر کچھ زیادہ نہیں کیا، یا فرمایا: اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے کیا ہے۔)

اس حدیث کو ابو بکر الشافعی البزاز نے ”الفوائد“^(۱) میں اور بیہقی نے ”السنن الکبریٰ“^(۲) میں محمد بن مسلمة، حدثنا یزید بن ہارون، أنبأنا شريك، عن إبراهيم الهجري کے طریق سے روایت کیا ہے۔

(۱) الفوائد الشهيرة بالغیلا نیات الابی بکر الشافعی البزاز (ص ۳۳۶) [۳۴۱]۔

(۲) (۷۱/۴) [۶۹۸۸]۔

یہ حدیث دونوں جانب سلام پھیرنے کے متعلق نص ہے۔ لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ ابراہیم البخاری کو حافظ ابن حجر نے لین الحدیث کہا ہے^(۱)۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے^(۲)۔ اس لئے اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔ بلکہ اس قول کی پہلی دلیل ہی اس پر استدلال کے لئے کافی ہے۔

(۱) تقریب التہذیب لابن حجر (ص ۹۳) [۲۵۲]۔

(۲) احکام الجنائز للالبانی (ص ۱۶۲)۔

(ب) عموم صلاة سے استدلال:

چونکہ جنازہ بھی صلاۃ ہے، کتاب و سنت میں اس پر صلاۃ کا اطلاق کیا گیا ہے، اور فرض نمازوں کی طرح یہ بھی تکبیر تحریمہ سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہوتی ہے، صرف رکوع و سجود اور تشہد اس میں نہیں پایا جاتا، باقی دوسرے تمام شرائط کا اس میں بھی پایا جانا ضروری ہوتا ہے جن کا صلوات مفروضہ میں پایا جانا ضروری ہوتا ہے جیسے وضوء کا ہونا، جسم اور جگہ کا پاک ہونا، قبلہ رخ ہونا، نیت کرنا، وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے جس طرح تمام صلوات میں دونوں جانب سلام پھیر کر اس سے فارغ ہوتے ہیں اسی طرح اس میں بھی دونوں جانب سلام پھیر کر فارغ ہوں گے۔

امام ابن حزم الظاہری رحمہ اللہ (جو قیاس کے منکر ہیں) نے اسی عموم صلاۃ سے ہی استدلال کرتے ہوئے دونوں جانب سلام پھیرنے کو جائز اور مستحب قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ويكبر الإمام والمأمومون بتكبير الإمام على الجنازة خمس تكبيرات، لا أكثر، فإن كبروا أربعاً فحسن، ولا أقل، ولا ترفع الأيدي إلا في أول تكبيرة فقط، فإذا انقضى التكبير المذكور سلم تسليمين وسلموا كذلك ... وأما التسليمتان فهي صلاة، وتحليل الصلاة: التسليم، والتسليمة الثانية ذكر وفعل خير" (۱)۔

(امام اور امام کی تکبیر پر مقتدی حضرات جنازہ میں پانچ تکبیریں کہیں گے، اس سے

(۱) المحلى بالآثار لابن حزم (۳/۳۴۷)۔

زیادہ نہیں، اگر چار تکبیریں کہیں تو ٹھیک ہے، اس سے کم نہیں، اور پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین نہیں کریں گے، جب مذکورہ تکبیریں ختم ہو جائیں تو دونوں جانب سلام پھیریں گے، اور مقتدی حضرات بھی ایسے ہی کریں گے، اور دونوں جانب سلام پھیرنا تو وہ اس وجہ سے کہ یہ نماز ہے، اور سلام پھیر کر نماز سے فراغت ہوتی ہے، اور دوسرا سلام ذکر اور اچھا کام ہے۔

اور ان کی یہ بات معقول بھی ہے۔ کیا ہم صلاۃ الجنابة کے ہر ہر عمل کے لئے الگ سے دلیل تلاشنے جائیں گے یا پھر اس کا عموم صلاۃ میں سے ہونا ان اعمال کی دلیل کے لئے کافی ہوگا؟ جیسے جن شرائط کا اوپر تذکرہ ہوا مثلاً وضوء کا ہونا، جسم اور جگہ کا پاک ہونا، قبلہ رخ ہونا، نیت کرنا، آپس میں بات چیت نہ کرنا، ادھر ادھر نہ دیکھنا، استطاعت کی صورت میں کھڑا ہونا اور عدم استطاعت کی صورت میں بیٹھ کر یا حسب استطاعت اس کو ادا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ چیزیں صلاۃ الجنابة میں ضروری نہیں ہیں؟ کیا صلوات مفروضہ کے عموم سے استدلال کے علاوہ ان کے لئے کوئی خاص ادلہ موجود ہیں؟ اور خاص ادلہ نہ ہونے کی بناء پر اس کو ناجائز کہنا درست ہے؟ قطعاً نہیں۔

اس لئے عموم صلاۃ سے دونوں جانب سلام پھیرنے پر استدلال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

دوسرا قول: نماز جنازہ سے فارغ ہوتے وقت صرف دائیں جانب سلام پھیرنے پر اقتصار کرنا چاہئے۔
یہ مالکیہ^(۱) اور حنابلہ^(۲) کا قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہ قدیم قول ہے^(۳)۔

صحابہ کرام میں سے ابو ہریرہ، علی، جابر بن عبد اللہ، واثلہ بن الاسقع، عبد اللہ بن ابی اوفی، ابن عمر، ابن عباس، ابو امامہ بن سہیل اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کا عمل اسی پر ہے^(۴)۔

سلف صالحین میں سے اور بھی بہت سارے ائمہ کرام نے اس قول کو اختیار کیا ہے، جن میں مشہور الذکر چند نام یہ ہیں: ابن سیرین، حسن بصری، سعید بن جبیر، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن المبارک، عیسیٰ بن یونس، وکیع، عبد الرحمن بن مہدی، اسحاق بن راہویہ اور ابن المنذر رحمہم اللہ^(۵)۔

معاصرین علماء کرام میں سے شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ اسی قول پر ہے^(۶)۔ شیخ

(۱) التاج والإکلیل للآبی عبد اللہ المواق الماکی (۱۹/۳)، وشرح مختصر خلیل للخرشی (۱۱۹/۲)۔

(۲) المغنی لابن قدامہ (۳۶۶/۲)۔

(۳) المجموع شرح المہذب للنووی (۲۴۰/۵)۔

(۴) دیکھیں: الإشراف علی مذاہب العلماء لابن المنذر (۳۶۶/۲)۔

(۵) مصدر سابق۔

(۶) فتاویٰ اللجنة الدائمة - المجموعہ الأولى (۸/۳۸۹-۳۹۰)۔

ابن عثيمين رحمہ اللہ نے اسی کو رائج قرار دیا ہے^(۱)۔ جبکہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے بھی اس کو مستحب قرار دیا ہے^(۲)۔

اس قول کی دلیلیں:

(الف) سنت نبوی سے استدلال:

پہلی دلیل: عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى على جنازة فكبّر عليها أربعاً وسلم تسليمة واحدة.
(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص پر جنازہ کی نماز پڑھی تو چار تکبیریں کہیں اور ایک جانب سلام پھیرا)۔

اس حدیث کو محدثین کرام نے حفص بن غیاث، عن أبي العنيس، عن أبيه، عن أبي هريرة رضي الله عنه کے طریق سے روایت کیا ہے۔ لیکن حفص بن غیاث سے اس کے رفع ووقف کے درمیان اختلاف ہے۔

حفص بن غیاث سے وارد مرفوع روایتیں:

۱۔ امام دارقطنی نے ”سنن“^(۳) میں اور ابوطاہر المخلص نے ”المختصیات“^(۴) میں

(۱) مجموع فتاویٰ و رسائل الشیخ ابن عثیمین (۱۷/۱۲۹)۔

(۲) احکام الجنائز للالبانی (ص ۱۶۳)۔

(۳) (۲/۴۳۲) [۱۸۱۷]۔

(۴) (۲/۱۴۰) [۱۲۲۸]۔

الحسين بن عمرو العنقزي عن إبراهيم بن إسماعيل بن بشير بن سلمان عن حفص بن غياث کے طریق سے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

لیکن الحسین بن عمرو العنقزی ضعیف راوی ہے، امام ابو زرعة الرازی، ابو حاتم الرازی اور ابو داؤد رحمہم اللہ نے ان پر کلام کیا ہے^(۱)۔

۲۔ امام دارقطنی نے ”العلل“^(۲) میں سلیمان بن الربیع عن ابی نعیم عن حفص بن غیاث کے طریق سے بھی اسے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

لیکن سلیمان بن الربیع ضعیف ہے۔ اسے امام دارقطنی نے ضعیف کہا ہے^(۳)۔
۳۔ امام حاکم^(۴) اور بیہقی^(۵) نے اسے ابو بکر بن ابی دارم الحافظ عن عبد اللہ بن غنم بن حفص بن غیاث عن ابیہ عن حفص بن غیاث کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

اس کی سند انتہائی ضعیف ہے، ابو بکر بن ابی دارم الحافظ کا نام احمد بن محمد بن السری بن یحییٰ بن ابی دارم ہے جسے حافظ ذہبی نے رافضی اور کذاب کہا ہے^(۶)۔

(۱) دیکھیں: الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (۳/۶۱-۶۲)، ولسان الميزان لابن حجر (۲/۳۰۷)۔

(۲) (۱۱/۱۵۳)۔

(۳) دیکھیں: ميزان الاعتدال للذہبی (۲/۲۰۷)۔

(۴) المستدرک علی الصحیحین للحاکم (۱/۵۱۳) [۱۳۳۲]۔

(۵) السنن الکبریٰ للبیہقی (۴/۷۰) [۶۹۸۲]۔

(۶) ميزان الاعتدال للذہبی (۱/۱۳۹) ترجمہ نمبر [۵۵۲]۔

اور غنام بن حفص بن غياث کی توثیق کسی امام جرح و تعدیل کی جانب سے نہ مل سکی۔ دارقطنی نے ”المؤتلف والمختلف“^(۱) میں، ابن ماکولانے ’الاکمال‘^(۲) میں اور عبد القادر القرشی نے ”الجواهر المضية فی طبقات الحنفیہ“^(۳) میں ان کا ترجمہ ذکر کیا ہے لیکن کسی نے جرح یا تعدیل کے متعلق کچھ ذکر نہ کیا اس لئے ان کی حالت کے بارے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

مذکورہ بالا مرفوع روایتوں کے برعکس حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہ^(۴) نے اسے یوں روایت کیا ہے:

حدثنا حفص بن غياث، عن أبي العنبر، عن أبيه، أنه قال: صليت خلف أبي هريرة على جنازة فكبر عليها أربعاً، وسلم عن يمينه تسليمه.
(ابو العنبر کے والد کثیر بن عبید فرماتے ہیں: میں نے ابو ہریرہ کے پیچھے جنازہ کی نماز پڑھی تو انہوں نے چار تکبیریں کہیں اور اپنے داہنے جانب سلام پھیرا)۔
اور ابو بکر بن ابی شیبہ معروف و مشہور ثقہ راوی ہیں جن سے شیخین نے روایت کیا ہے^(۵)۔ اس لئے ان کی موقوف روایت کو مذکورہ مرفوع روایتوں پر ترجیح حاصل ہوگی۔

(۱) (۱۷۶۵/۴)۔

(۲) (۲۸/۷)۔

(۳) (۴۰۴/۱) [۱۱۲۰]۔

(۴) المصنف لابن ابی شیبہ (۵۰۰/۲) [۱۱۵۰۰]۔

(۵) تقریب التہذیب لابن حجر (ص ۳۲۰) [۳۵۷۵]۔

واللہ اعلم۔

پس مذکورہ روایت حفص بن غیاث سے فقط موقوفاً ثابت ہے مرفوعاً نہیں۔
امام دارقطنی نے ”العلل“^(۱) میں مذکورہ اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد حفص بن غیاث سے موقوف روایت کو ہی صواب قرار دیا ہے۔

اور یہ موقوف روایت سنداً صحیح ہے، اس کے تمام روات ثقہ ہیں۔
ہاں عطاء بن السائب نے اسے مرسلانی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، جسے امام بیہقی نے ”السنن الکبریٰ“^(۲) میں ان سے معلقاً روایت کیا ہے۔ اور اس مرسل روایت سے استشہاد کرتے ہوئے شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”أحكام الجنائز“^(۳) میں حسن قرار دیا ہے۔

لیکن جیسا کہ بیان کیا گیا حفص بن غیاث کی سابقہ روایت ان سے مرفوعاً ثابت ہی نہیں چہ جائیکہ اسے حسن کہا جائے اور عطاء بن السائب کی مرسل روایت کو بطور استیناس اور استشہاد پیش کی جائے۔ واللہ اعلم۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ”زاد المعاد“^(۴) میں اس روایت کو مرفوعاً ذکر کرنے کے بعد امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے: ”هذا الحديث عندي موضوع“ (یہ

(۱) (۱۵۲/۱۱) [۲۱۸۸]۔

(۲) (۷۰/۴) [۶۹۸۲]۔

(۳) (ص ۱۶۳)۔

(۴) (۱/۳۹۰)۔

حدیث میرے نزدیک موضوع ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کے موضوع کہنے کا معقول سبب مجھے نہ مل سکا۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس سے اس کا صرف ثابت نہ ہونا ہی مراد لیا ہو، اصطلاحی موضوع ہونا نہیں۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً ثابت نہیں ہے، بلکہ فقط ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً ثابت ہے۔ ہذا عندی حولہ واللہ اعلم بالصواب۔

دوسری دلیل: عن أبي أمية أنه قال: «السنة في الصلاة على الجنائز أن تكبر ثم تقرأ بأم القرآن ثم تصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ثم تخلص الدعاء للميت ولا تقرأ إلا في التكبيرة الأولى ثم تسلم في نفسه عن يمينه».

(ابو امامہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: صلاة الجنائزہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ تم ”اللہ اکبر“ کہو، پھر سورہ فاتحہ پڑھو، پھر نبی ﷺ پر درود پڑھو، پھر خالص میت کے لئے دعاء کرو، اور پہلی تکبیر کے علاوہ قرأت نہ کرو، پھر آہستہ دہنے جانب سلام پھيرو)۔

بعض لوگوں نے اس حدیث میں ”سنت“ سے مراد نبی ﷺ کی سنت سمجھا ہے^(۱) کیونکہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ مسائل کو ”سنت“ میں سے ہونا قرار دیا

(۱) اور اسی وجہ سے میں نے بھی یہاں اسے مرفوع احادیث سے استدلال کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

ہے۔ اور صحابی کا کسی عمل کو مسنون قرار دینے سے نبی ﷺ کی سنت مراد ہوتی ہے۔ اس لئے مذکورہ روایت حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگی۔

لیکن ان کا یہ کہنا صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہاں پر ابو امامہ صحابی مشہور صدی بن عجلان رضی اللہ عنہ نہیں ہیں بلکہ اسعد بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ ہیں جن کی وفات سو (۱۰۰) ہجری میں ہوئی ہے، یہ اطفال الصحابہ میں سے ہیں، نبی ﷺ کی وفات کے وقت یہ بہت ہی چھوٹے تھے، بعض محدثین نے کہا ہے کہ ان کی عمر اس وقت صرف دو سال تھی^(۱)۔ اس لئے نبی ﷺ سے انہوں نے کوئی حدیث نہیں سنی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ”نبی ﷺ سے انہوں نے مرسل روایت کیا ہے“^(۲)۔

ایسے صحابہ کرام کے لئے شرف صحبت حاصل ہونے کے باوجود ان کی مرفوع روایتوں کو محدثین کرام نے مراسیل میں شمار کیا ہے۔ اور سنداً ان کی روایتوں کا حکم تابعین کی مراسیل کے مثل ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر وہ ”من السنہ“ کہیں تو صحابہ کرام کی طرح ان کے اس قول کو سنت نبوی نہیں مانا جائیگا، بلکہ صحابہ کرام کی سنت مراد ہوگی کیونکہ انہوں نے صحابہ کرام کو ہی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے نبی ﷺ کو نہیں۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا صرف مسئلہ بیان کرنا مقصود ہو روایت حدیث مقصود نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

اور اگر کہیں کہ اس سے سنت نبوی مقصود ہے تو پھر یہ مرسل کے قبیل سے

(۱) تہذیب التہذیب لابن حجر (۱/۲۶۳)۔

(۲) مصدر سابق۔

ہوگی^(۱)۔ واللہ اعلم۔

پس مذکورہ حدیث میں ابو امامہ اسعد بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا ”السنة“ کہنا دو حال سے خالی نہیں: یا تو اسے مرسل مرفوع مانا جائے یا متصل موقوف۔
اب اس حدیث کی تخریج کی طرف آتے ہیں۔ مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اس حدیث میں بھی رفع و وقف کے درمیان اختلاف ہے۔ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

امام شافعی نے اپنی مسند^(۲) میں یوں روایت کیا ہے: أخبرنا مطرف بن مازن، عن معمر، عن الزهري، قال: أخبرني أبو أمانة بن سهل: أنه أخبره رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم: أن السنة في الصلاة على الجنابة أن يكبر الإمام، ثم يقرأ بفاتحة الكتاب بعد التكبيرة الأولى يقرأ في نفسه ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ويخلص الدعاء للجنابة، في التكبيرات لا يقرأ في شيء منهن، ثم يسلم سرا في نفسه.

(ابو امامہ بن سہل فرماتے ہیں: انہیں ایک صحابی رسول نے بیان کیا: صلاة الجنابة میں ”سنت“ یہ ہے کہ امام ”اللہ اکبر“ کہے، پھر پہلی تکبیر کے بعد آہستہ سورہ فاتحہ پڑھے، پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے، پھر خالص میت کے لئے دعاء کرے، کسی بھی تکبیر

(۱) دیکھیں: البحر المحیط للزرکشی (۴/۳۷۶-۳۷۹)، والاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر (۱۲/۱-۱۳)،
(۱۳) وفتح الباری لابن حجر (۷/۳-۴)، ونزهة النظر فی شرح نخبة الفكر لابن حجر (ص ۱۴۲)۔
(۲) (۲/۹۰) حدیث نمبر (۵۸۸)۔

میں قرأت نہ کرے، پھر آہستہ سلام پھیرے)۔

یہ روایت مرفوعاً وارد ہوئی ہے کیونکہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے صحابی سے اسے روایت کیا ہے جنہوں نے اسے ”سنت“ سے تعبیر کیا ہے۔ اور صحابی کا ”سنت“ کہنا حکماً مرفوع ہے۔ واللہ اعلم۔

لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ مطرف بن مازن پر محدثین نے سخت کلام کیا ہے، حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ”واہ، کذبہ ابن معین“ (انتہائی کمزور ہے، ابن معین نے اسے جھوٹا کہا ہے) ^(۱)۔

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی نے مصنف ^(۲) میں حدیث مذکور کو معمر سے روایت کرنے میں مطرف بن مازن کی مخالفت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: عن معمر، عن الزهري، عن أبي أمانة بن سهل بن حنيف قال: «إذا صلى الإمام على الجنائز سلم في نفسه، عن يمينه»، وبه نأخذ

(ابو امامہ بن سہل بن حنیف فرماتے ہیں: ”جب امام جنازہ کی نماز پڑھائے تو آہستہ اپنے داہنے جانب سلام پھیرے“۔ اور یہی ہمارا موقف ہے)۔

پس انہوں نے اسے ابو امامہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ اور صرف داہنے جانب سلام پھیرنے کی صراحت کی ہے، جب کہ مطرف بن مازن کی سابقہ روایت میں اس کی صراحت نہیں تھی۔

(۱) دیوان الضعفاء للذہبی (ص ۳۸۹) ترجمہ نمبر (۴۱۴۴)۔

(۲) (۴۹۳/۳) حدیث نمبر (۶۴۴۳)۔

اور عبد الرزاق الصنعانی معمر کے خاص اور مشہور تلامذہ میں سے ہیں، اس لئے ان کی روایت بلا شک سابقہ روایت پر مقدم اور رائج ہوگی۔

اسی روایت کو امام عبد الرزاق الصنعانی سے ابن الجارود نے ”المنقذ“^(۱) میں محمد بن یحییٰ کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ لیکن ان کے یہاں اس کے الفاظ میں قدرے فرق موجود ہے۔ ابن الجارود فرماتے ہیں: حدثنا محمد بن یحییٰ، قال: حدثنا عبد الرزاق، قال: أخبرنا معمر، عن الزهري، قال: سمعت أبا أمامة بن سهل بن حنيف، يحدث ابن المسيب قال: «السنة في الصلاة على الجنازة أن تكبر ثم تقرأ بأم القرآن ثم تصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ثم تخلص الدعاء للميت ولا تقرأ إلا في التكبيرة الأولى ثم تسلم في نفسه عن يمينه»

(ابو امامہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: صلاة الجنازة کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ تم ”اللہ اکبر“ کہو، پھر سورہ فاتحہ پڑھو، پھر نبی ﷺ پر درود پڑھو، پھر خالص میت کے لئے دعاء کرو، اور پہلی تکبیر کے علاوہ قرأت نہ کرو، پھر آہستہ دہنے جانب سلام پھيرو)۔

یہاں پر ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے اسے محض اپنی جانب سے ذکر نہ کر کے ”سنت“ ہونا کہا ہے۔ اور ان کے ”سنت“ کہنے سے مراد یا تو صحابہ کرام کی سنت ہے (اس صورت میں وہ موقوف متصل ہوگی) یا پھر نبی ﷺ کی سنت۔ اگر اسے سنت نبوی مانیں تو یہ روایت مرسل کے قبیل سے ہوگی کیونکہ انہوں نے نبی ﷺ سے کچھ

(۱) (ص ۱۴۱) حدیث نمبر (۵۴۰)۔

بھی نہیں سنا ہے جیسا کہ بیان کیا گیا۔

امام عبد الرزاق سے وارد دونوں روایتوں میں جس روایت کو انہوں نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اسے ترجیح حاصل ہوگی نہ کہ بالواسطہ جسے ابن الجارود نے ان سے ذکر کیا ہے۔ اس لئے کہ واسطہ کا نہ ہونا ہونے سے اچھا ہے، خصوصاً اس وقت جب کہ راوی کی اپنی تصنیف کردہ کتاب میں وہ روایت مل جائے، کیونکہ جس قدر واسطوں کی زیادتی ہوگی ان سے خطا کا احتمال بڑھ جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث کی تخریج اسماعیل بن اسحاق الجہضمی نے بھی اپنی کتاب ”فضل الصلاة على النبي ﷺ“^(۱) میں کی ہے، وہ فرماتے ہیں: حدثنا محمد بن المثنی قال: حدثنا عبد الأعلى قال: حدثنا معمر، عن الزهري قال: سمعت أبا أمامة بن سهل بن حنيف، يحدث سعيد بن المسيب قال: «إن السنة في صلاة الجنائز أن يقرأ بفاتحة الكتاب، ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، ثم يخلص الدعاء للميت متى يفرغ، ولا يقرأ إلا مرة واحدة ثم يسلم في نفسه».

(صلاة الجنائز میں سنت یہ ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھے، اور نبی ﷺ پر درود پڑھے، پھر خالص میت کے لئے دعاء کرے، اور صرف ایک بار قرأت کرے، پھر آہستہ سلام پھیرے)۔

اس روایت کے الفاظ ابن الجارود کے الفاظ کی طرح ہی ہیں، إلا یہ کہ اس کے آخر میں ”ثم يسلم في نفسه“ مجملًا کہا ہے، دہنے جانب سلام پھیرنے کی صراحت نہیں

(۱) (ص ۸۰-۸۱) حدیث نمبر (۹۴)۔

کی جو کہ محل شاہد ہے جب کہ ابن الجارود کی روایت میں اس کی صراحت تھی۔
اس روایت پر بھی امام عبد الرزاق الصنعانی کی سابقہ روایت کو ترجیح حاصل ہوگی
کیونکہ عبد الأعلى اگرچہ ثقہ^(۱) ہیں لیکن عبد الزاق کی طرح انہوں نے معمر بن راشد کی
ملازمت اختیار نہیں کی ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ کہ معمر بن راشد سے جو چار روایتیں ذکر کی گئیں ان میں سے عبد
الرزاق الصنعانی کی روایت سب پر مقدم اور رائج ہے کیونکہ انہوں نے سات سے آٹھ
سال تک معمر کی صحبت و شاگردی اختیار کی ہے^(۲)۔ اور عبد الرزاق کے الفاظ یہ ہیں:
عن أبي أمانة بن سهل بن حنيف قال: «إذا صلى الإمام على الجنابة سلم
في نفسه عن يمينه»، وبه نأخذ.

(ابو امامہ بن سہل بن حنیف فرماتے ہیں: ”جب امام جنازہ کی نماز پڑھائے تو آہستہ
اپنے داہنے جانب سلام پھیرے۔“ اور یہی ہمارا موقف ہے)۔

لیکن امام لیث بن سعد نے معمر کی مخالفت کی ہے جسے امام نسائی^(۳) نے روایت کیا
ہے، وہ فرماتے ہیں: أخبرنا قتيبة، قال: حدثنا الليث، عن ابن شهاب، عن أبي
أمانة أنه قال: «السنة في الصلاة على الجنابة أن يقرأ في التكبيرة الأولى بأم
القرآن مخافتة، ثم يكبر ثلاثاً، والتسليم عند الآخرة»

(۱) دیکھیں: تقریب التہذیب لابن حجر (ص ۳۳۱) ترجمہ نمبر (۳۳۴-۳۳۵)۔

(۲) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (۶/۳۸)۔

(۳) سنن نسائی، حدیث نمبر (۱۹۸۹)۔

(ابو امامہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: صلاة الجنائزہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے، پھر تین تکبیریں کہی جائیں، اور آخر میں سلام پھرنا ہے۔)

ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے یہاں پر اسے محض اپنی جانب سے ذکر نہ کر کے ”سنت“ ہونا کہا ہے۔ اور آخر میں سلام پھیرنے کی بات بھی مجملًا ذکر کیا ہے۔ جب کہ عبد الرزاق کی روایت میں انہوں نے اپنے قول سے اسے ذکر کیا ہے اور داہنے جانب سلام پھیرنے کی صراحت بھی کی ہے۔

لیث بن سعد کی روایت میں ابو امامہ کا ”السنة فی الصلاة علی الجنائزہ... الخ“ کہنا دو حال سے خالی نہیں یا تو اسے مرسل مرفوع مانا جائے یا متصل موقوف جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، مرسل مرفوع ماننے کی صورت میں معمر کی روایت سے مخالفت لازم آئیگی کیونکہ ان کی روایت ابو امامہ سے صریح موقوف ہے۔

مذکورہ دونوں روایتوں میں معمر کی روایت کو لیث بن سعد کی روایت پر ترجیح حاصل ہوگی کیونکہ وہ امام زہری کے طبقہ اولی کے تلامذہ میں سے ہیں جنہوں نے حفظ و اتقان کے ساتھ ساتھ ایک لمبی مدت تک امام زہری سے صحبت اختیار کی ہے، ان کی حدیثوں کو جانچا اور پرکھا ہے^(۱)۔ اور لیث بن سعد دوسرے طبقہ کے تلامذہ میں سے ہیں جو نہ حفظ و اتقان میں پہلے طبقہ کی طرح ہیں اور نہ امام زہری سے لمبی مدت تک ملازمت ہی

(۱) شرح علل الترمذی لابن رجب (۱/۱۱۳)۔

اختیار کی ہے ^(۱)۔ اس لئے معمر نے اس حدیث کے جو الفاظ بیان کئے ہیں اور جسے عبد الرزاق نے اپنے ”مصنف“ میں روایت کی ہے وہی روایت راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

پس پتہ چلا کہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت موقوف ہے، مرفوع نہیں۔ لہذا لیث بن سعد کی مرفوع روایت کی تصحیح کے بعد یہ کہنا کہ ”اس میں سلام پھیرنے کی بات مجملًا ذکر کی گئی ہے، اس سے جس طرح ایک جانب سلام پھیرنے پر دلیل لی جاسکتی ہے اسی طرح دونوں جانب سلام پھیرنے پر بھی دلیل لی جاسکتی ہے لیکن اس حدیث کے راوی ابو امامہ سے ہی مروی ہے کہ صرف داہنے جانب سلام پھیرنا سنت ہے۔ اس لئے صلاة الجنائزہ میں صرف داہنے جانب سلام پھیرنا ہی مسنون ہوگا کیونکہ دونوں حدیثوں کے راوی ایک ہی ہیں“ درست نہیں کیونکہ اس کی مذکورہ تخریج سے واضح ہے کہ یہ حدیث فقط ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے موقوفًا ثابت ہے اور مرفوعًا اسے روایت کرنا محفوظ نہیں۔ واللہ اعلم۔

مذکورہ دونوں دلیلوں کے علاوہ مجھے سنت نبوی سے اور کوئی تیسری دلیل نہ ملی۔ ہذا عندی والعلم عند اللہ۔

(۱) مصدر سابق۔

(ب) عموم صلاة سے استدلال:

جیسا کہ پہلے قول کے دلائل میں ذکر کیا گیا کہ جنازہ بھی صلاۃ ہے، کتاب و سنت میں اس پر صلاۃ کا اطلاق کیا گیا ہے، اور صلوات مفروضہ کی طرح یہ بھی تکبیر تحریمہ سے شروع ہو کر سلام پر ختم ہوتا ہے، صرف رکوع و سجود اور تشهد اس میں نہیں پایا جاتا، باقی دوسرے تمام شرائط کا اس میں بھی پایا جانا ضروری ہوتا ہے جو صلوات مفروضہ میں ضروری ہوتا ہے جیسے وضوء کا ہونا، جسم اور جگہ کا پاک ہونا، قبلہ رخ ہونا، نیت کرنا، وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے جس طرح تمام صلوات میں ایک جانب و دونوں جانب دونوں طریقوں سے سلام پھیرنا جائز اور مسنون ہے اسی طرح صلاۃ جنازہ میں بھی دونوں طریقوں سے سلام پھیرنا جائز اور مسنون ہو گا۔ واللہ اعلم۔

(ج) اجماع امت سے استدلال:

علامہ ابن المنذر رحمہ اللہ نے صلاة الجنازة میں صرف ایک جانب سلام پھیرنے پر اکتفا کرنے والے کے نماز کی صحت پر علماء کرام کا اجماع نقل کیا ہے^(۱)۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس دوسرے قول کے ادلہ میں وارد دونوں مرفوع حدیثیں اسنادی حیثیت سے قابل استدلال نہیں۔ دونوں حدیثیں راجح قول کے مطابق موقوف ہیں، جن میں سے پہلی حدیث تو موقوفاً بھی ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن عموم صلوات سے استدلال کرتے ہوئے اس پر عمل کرنے میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں۔ خصوصاً جب کہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور متقدمین جلیل القدر علماء کی ایک جماعت نے اسے اختیار کیا ہو۔

نیز صحابہ کرام کی اتنی بڑی جماعت کا اس پر عمل کرنے سے غالب گمان ہوتا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھ کر ہی ایسا کیا ہوگا۔ گرچہ ان کا عموم صلاة سے استدلال کرتے ہوئے عمل کرنے کا احتمال بھی باقی ہے۔ اگر اس دوسرے احتمال کو بھی مانا جائے پھر بھی ان کا اجتہاد و استدلال دوسروں کے اجتہاد پر مقدم ہے۔ واللہ اعلم۔

علامہ ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "تسليمة أحب إلي لحديث أبي أمامة بن سهل؛ ولأنه الذي عليه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهم أعلم بالسنة من غيرهم؛ ولأنهم الذين حضروا صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، وحفظوا عنه، ولم يختلف ممن روي ذلك عنه منهم إن التسليم تسليمة

(۱) الأوسط في السنن والایجام والاختلاف لابن المنذر (۵/ ۴۳۸)۔

واحدة، وقد أجمع أهل العلم أنه يكون بتسليمة واحدة خارجًا من الصلاة" (۱)۔
 (ابو امامہ بن سہل کی حدیث کی وجہ سے ایک جانب سلام پھیرنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، اس لئے بھی کیونکہ صحابہ کرام کی بھی یہی رائے ہے، اور وہ دوسروں سے زیادہ سنت کا علم رکھتے ہیں، وہ نبی ﷺ کی نماز میں حاضر رہے، اور آپ سے نماز کے طریقے کو یاد کیا، ان میں سے جن سے بھی ہم نے روایت کی تمام اس بات پر متفق ہیں کہ - جنازہ میں - سلام صرف ایک جانب پھیرنا ہے، اور علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ - صلاة الجنائزہ - میں ایک سلام سے ہی وہ نماز سے فارغ ہو جائیگا۔)

ملاحظہ فرمائیں اس میں علامہ ابن المنذر رحمہ اللہ نے صرف ایک جانب سلام پھیرنے پر اکتفا کرنے والے کے نماز کی صحت پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ اور اجماع متفق علیہ شرعی أدلہ کے اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اس لئے اس قول پر عمل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱) الأوسط فی السنن والإجماع والاختلاف لابن المنذر (۵ / ۴۴۸)۔

خلاصہ کلام

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس رسالہ کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اب آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کے سامنے پورے رسالہ کا خلاصہ اور نچوڑ پیش کیا جائے تاکہ وقت کی کمی یا دوسرے ظروف کی بناء پر جو حضرات پورے رسالہ کو نہ پڑھ سکتے ہوں ان آخری چند صفحات کو پڑھ کر اس کے محتوی سے واقف ہو سکیں۔ اس لئے اسے درج ذیل نکات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ سلام پھیرنا صلاۃ الجنازہ کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ اس کے بغیر نماز جنازہ پوری نہیں ہوتی۔

۲۔ اس سلام کی تعداد کے بارے علماء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض علماء صرف ایک جانب سلام پھیرنے کے قائل ہیں تو بعض دونوں جانب سلام پھیرنے کو جائز اور مستحب قرار دیتے ہیں۔

۳۔ سلف صالحین میں سے اکثر علماء کا عمل صرف دہانے جانب سلام پھیرنے کا رہا ہے۔
۴۔ مذکورہ دونوں قول پر عمل کرنا جائز اور مستحب ہے۔ اس لئے جن علاقوں میں جس قول پر عمل ہو رہا ہو اسے باقی رہنے دینا چاہئے اور بلا وجہ اس سے چھیڑ چھاڑ اور بدلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔

۵۔ نماز جنازہ میں دونوں جانب سلام پھیرنے کو ناجائز اور بدعت کہنا درست نہیں، بلکہ یہ عمل جائز اور مستحب ہے۔ اس کی پہلی دلیل عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث ہے:

«ثلاث خلال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعلهن، تركهن

الناس، إحداهن: التسليم على الجنازة مثل التسليم في الصلاة»۔
 (تین خصلتیں ایسی ہیں جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے لیکن لوگوں نے چھوڑ دیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے: جنازہ میں سلام پھرنا عام نماز میں سلام پھیرنے کی طرح ہے۔)
 جو کہ حسن درجے کی حدیث ہے۔ متقدمین اور متأخرین و معاصرین علماء کی ایک جماعت نے اسے صحیح یا حسن کہا ہے۔ اور شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ و مشرقی شمال ہند کے بعض علماء کے علاوہ کسی نے اس کی تضعیف نہیں کی ہے۔
 اور دوسری دلیل عموم صلوات مفروضہ سے استدلال ہے۔ یعنی جس طرح فرض نمازوں سے فارغ ہوتے وقت دونوں جانب سلام پھیرنا مستحب ہے اسی طرح حکم صلاة جنازہ کا بھی ہے۔

۶۔ اسی طرح صرف داہنے جانب سلام پھیرنے پر اکتفا کرنے کو بھی ناجائز کہنا صحیح نہیں۔ اس کی پہلی دلیل علماء کرام کا اجماع ہے۔ علامہ ابن المنذر رحمہ اللہ نے علماء کرام کا اجماع نقل کیا ہے کہ صرف داہنے جانب سلام پھیرنے پر اکتفا کرنا جائز ہے۔ اور اجماع شرعی دلیلوں میں سے ایک معتبر دلیل ہے۔

اور دوسری دلیل عموم صلوات مفروضہ سے استدلال ہے، یعنی جس طرح فرض نمازوں میں صرف داہنے جانب سلام پھیرنے پر اکتفا کرنا جائز ہے اسی طرح حکم صلاة الجنازہ کا بھی ہے۔ نیز صحابہ کرام کی ایک جماعت کا عمل اسی قول کے موافق ہے۔ اس لئے اس قول پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ہذا ما عندی، واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

فهرست مصادر ومراجع

١ - إتحاف ذوي الرسوخ بمن رمي بالتدليس من الشيوخ لحمد بن محمد الأنصاري، الناشر: مكتبة المعلا، الكويت، الطبعة: الأولى، ١٤٠٦هـ.

٢ - أحكام الجنائز وبدعها محمد ناصر الدين الألباني، الناشر: مكتبة المعارف الرياض، الطبعة: الأولى، ١٤١٢هـ.

٣ - الإشراف على مذاهب العلماء لأبي بكر محمد بن إبراهيم بن المنذر النيسابوري (المتوفى: ٣١٩هـ)، تحقيق: أبي حماد صغير أحمد الأنصاري، الناشر: مكتبة مكة الثقافية، رأس الخيمة، الإمارات العربية المتحدة، الطبعة: الأولى، ١٤٢٥هـ.

٤ - الإصابة في تمييز الصحابة لأبي الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: ٨٥٢هـ)، تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود وعلى محمد معوض، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الأولى، ١٤١٥هـ.

٥ - إكمال تهذيب الكمال في أسماء الرجال لمغلطاي بن قليج بن عبد الله البكجري المصري الحكري الحنفي، أبي عبد الله، علاء الدين (المتوفى: ٧٦٢هـ)، المحقق: أبو عبد الرحمن عادل بن محمد، وأبو محمد أسامة بن إبراهيم، الناشر: الفاروق الحديثة للطباعة والنشر، الطبعة: الأولى، ١٤٢٢هـ - ٢٠٠١م.

٦ - الإكمال في رفع الارتباب عن المؤلف والمختلف في الأسماء والكنى والأنساب لسعد الملك، أبي نصر علي بن هبة الله بن جعفر

بن مأكولا (المتوفى: ٤٧٥هـ)، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ١٤١١هـ-١٩٩٠م.

٧ - الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف لأبي بكر محمد بن إبراهيم بن المنذر النيسابوري (المتوفى: ٣١٩هـ)، تحقيق: أبي حماد صغير أحمد بن محمد حنيف، الناشر: دار طيبة، الرياض، السعودية، الطبعة: الأولى، ١٤٠٥هـ-١٩٨٥م.

٨ - الباعث الحثيث إلى اختصار علوم الحديث لأبي الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: ٧٧٤هـ)، المحقق: أحمد محمد شاكر، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة: الثانية.

٩ - البحر المحيط في أصول الفقه لأبي عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي (المتوفى: ٧٩٤هـ)، الناشر: دار الكتي، الطبعة: الأولى، ١٤١٤هـ - ١٩٩٤م.

١٠ - بغية المتطوع في صلاة التطوع لمحمد بن عمر بن سالم بازمول، الناشر: دار الهجرة للنشر والتوزيع، الرياض، المملكة العربية السعودية، الطبعة: الأولى، ١٤١٤هـ-١٩٩٤م.

١١ - التاج والإكليل لمختصر خليل لمحمد بن يوسف بن أبي القاسم بن يوسف العبدري الغرناطي، أبي عبد الله المواق المالكي (المتوفى: ٨٩٧هـ)، الناشر: دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، ١٤١٦هـ-١٩٩٤م.
لاى لا

١٢ - تاريخ الثقات لأبي الحسن أحمد بن عبد الله بن صالح العجلي الكوفي (المتوفى: ٢٦١هـ)، الناشر: دار الباز، الطبعة: الأولى،

۱۴۰۵ھ-۱۹۸۴م.

۱۳ - التاريخ الكبير لمحمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة البخاري، أبي عبد الله (المتوفى: ۲۵۶هـ)، الطبعة: دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، الدكن، طبع تحت مراقبة: محمد عبد المعيد خان.

۱۴ - تبين الحقائق شرح كنز الدقائق لعثمان بن علي بن محجن البارع، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى: ۷۴۳هـ)، الناشر: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق، القاهرة، الطبعة: الأولى، ۱۳۱۳هـ.

۱۵ - تحرير تقريب التهذيب للحافظ ابن حجر، تأليف: د. بشار عواد معروف، والشيخ شعيب الأرناؤوط، الناشر: مؤسسة الرسالة بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۷هـ.

۱۶ - تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي لعبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: ۹۱۱هـ)، حققه: أبو قتيبة نظر محمد الفاريابي، الناشر: دار طيبة.

۱۷ - التدليس في الحديث حقيقته وأقسامه وأحكامه ومراتبه والموصوفون به للدكتور مسفر بن غرم الله الدميني، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۲هـ.

۱۸ - تعريف أهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس لأبي الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: ۸۵۲هـ)، المحقق: د. عاصم بن عبد الله القريوتي، الناشر: مكتبة المنار، عمان، الطبعة: الأولى، ۱۴۰۳هـ-۱۹۸۳م.

۱۹ - تقريب التهذيب لأبي الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: ۸۵۲هـ)، المحقق: محمد عوامه، الناشر: دار

الرشيد، سوريا، الطبعة: الأولى، ١٤٠٦هـ - ١٩٨٦م.

٢٠ - تهذيب التهذيب لأبي الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: ٨٥٢هـ)، الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند، الطبعة: الأولى، ١٣٢٦هـ.

٢١ - تهذيب الكمال في أسماء الرجال ليوسف بن عبد الرحمن بن يوسف، أبي الحجاج، جمال الدين ابن الزكي أبي محمد القضاعي الكلبي المزني (المتوفى: ٧٤٢هـ)، المحقق: د. بشار عواد معروف، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة: الأولى، ١٤٠٠ - ١٩٨٠.

٢٢ - جامع التحصيل في أحكام المراسيل لصالح الدين أبي سعيد خليل بن كيكلدي بن عبد الله الدمشقي العلائي (المتوفى: ٧٦١هـ)، المحقق: حمدي عبد المجيد السلفي، الناشر: عالم الكتب، بيروت، الطبعة: الثانية، ١٤٠٧هـ - ١٩٨٦م.

٢٣ - الجامع الكامل في الحديث الصحيح الشامل لأبي أحمد محمد عبد الله الأعظمي المعروف بالضياء، الناشر: مكتبة دار السلام، الرياض، الطبعة: الأولى، ١٤٣٧هـ.

٢٤ - الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع لأبي بكر أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد بن مهدي الخطيب البغدادي (المتوفى: ٤٦٣هـ)، المحقق: د. محمود الطحان، الناشر: مكتبة المعارف، الرياض.

٢٥ - الجرح والتعديل لأبي محمد عبد الرحمن بن محمد بن إدريس بن المنذر التميمي، الحنظلي، الرازي ابن أبي حاتم (المتوفى: ٣٢٧هـ)، الناشر: طبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد الدكن، الهند، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة: الأولى، ١٢٧١هـ - ١٩٥٢م.

۲۶ - الجواهر المضية في طبقات الحنفية لعبد القادر بن محمد بن نصر الله القرشي، أبي محمد، محيي الدين الحنفي (المتوفى: ۷۷۵هـ)، الناشر: مير محمد كتب خانہ، کراتشي.

۲۷ - خلاصة الأحكام في مهمات السنن وقواعد الإسلام لأبي زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: ۶۷۶هـ)، المحقق: حقه وخرج أحاديثه: حسين إسماعيل الجمل، الناشر: مؤسسة الرسالة، لبنان، بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۸هـ - ۱۹۹۷م.

۲۸ - ديوان الضعفاء والمتروكين وخلق من المجهولين وثقات فيهم لين لشمس الدين أبي عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي (المتوفى: ۷۴۸هـ)، المحقق: حماد بن محمد الأنصاري، الناشر: مكتبة النهضة الحديثة، مكة، الطبعة: الثانية، ۱۳۸۷هـ - ۱۹۶۷م.

۲۹ - الرسالة لأبي عبد الله محمد بن إدريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبي القرشي المكي (المتوفى: ۲۰۴هـ)، المحقق: أحمد شاكر، الناشر: مكتبة الحلبي، مصر، الطبعة: الأولى، ۱۳۵۸هـ - ۱۹۴۰م.

۳۰ - زاد المعاد في هدي خير العباد لمحمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم الجوزية (المتوفى: ۷۵۱هـ)، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، ومكتبة المنار الإسلامية، الكويت، الطبعة: السابعة والعشرون، ۱۴۱۵هـ - ۱۹۹۴م.

۳۱ - الزيادات على كتاب المزني لأبي بكر عبد الله بن محمد بن زياد النيسابوري (المتوفى: ۳۲۴هـ)، دراسة وتحقيق: الدكتور خالد بن هايف بن عريج المطيري، الناشر: دار أضواء السلف، الرياض، دار الكوثر، الكويت،

الطبعة: الأولى، ١٤٢٦هـ - ٢٠٠٥م.

٣٢ - السنن لأبي الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدار قطني (المتوفى: ٣٨٥هـ)، حققه وضبط نصه وعلق عليه: شعيب الأرناؤوط، حسن عبد المنعم شلبي، عبد اللطيف حرز الله، أحمد برهوم، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ١٤٢٤هـ - ٢٠٠٤م.

٣٣ - السنن الكبرى لأحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرُو جردى الخراساني، أبي بكر البيهقي (المتوفى: ٤٥٨هـ)، المحقق: محمد عبد القادر عطا، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة: الثالثة، ١٤٢٤هـ - ٢٠٠٣م.

٣٤ - السنن لأبي عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي (المتوفى: ٣٠٣هـ)، الناشر: مكتبة المعارف الرياض، الطبعة: الأولى، مذيبة بأحكام العلامة الألباني رحمه الله، اعتنى به: أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان.

٣٥ - سؤالات أبي داود للإمام أحمد بن حنبل في جرح الرواة وتعديلهم، لأبي عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: ٢٤١هـ)، المحقق: د. زياد محمد منصور، الناشر: مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، الطبعة: الأولى، ١٤١٤هـ.

٣٦ - سير أعلام النبلاء لشمس الدين أبي عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي (المتوفى: ٧٤٨هـ)، المحقق: مجموعة من المحققين بإشراف الشيخ شعيب الأرناؤوط، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الثالثة، ١٤٠٥هـ - ١٩٨٥م.

٣٧ - الشرح الممتع على زاد المستقنع لمحمد بن صالح بن محمد

العثيمين (المتوفى: ١٤٢١هـ)، الناشر: دار ابن الجوزي، الطبعة: الأولى، ١٤٢٢ - ١٤٢٨هـ.

٣٨ - شرح صحيح البخاري لأبي الحسن علي بن خلف بن عبد الملك ابن بطلال (المتوفى: ٤٤٩هـ)، تحقيق: أبي تميم ياسر بن إبراهيم، الناشر: مكتبة الرشد، السعودية، الرياض، الطبعة: الثانية، ١٤٢٣هـ - ٢٠٠٣م.

٣٩ - شرح علل الترمذي لزين الدين عبد الرحمن بن أحمد بن رجب بن الحسن، السلامي، البغدادي، ثم الدمشقي، الحنبلي (المتوفى: ٧٩٥هـ)، المحقق: الدكتور همام عبد الرحيم سعيد، الناشر: مكتبة المنار، الزرقاء، الأردن، الطبعة: الأولى، ١٤٠٧هـ - ١٩٨٧م.

٤٠ - شرح مختصر خليل للخرشي لمحمد بن عبد الله الخرشي المالكي أبي عبد الله (المتوفى: ١١٠١هـ)، الناشر: دار الفكر للطباعة، بيروت.

٤١ - الطبقات الكبرى لأبي عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بابن سعد (المتوفى: ٢٣٠هـ)، المحقق: إحسان عباس، الناشر: دار صادر، بيروت، الطبعة: الأولى، ١٩٦٨م.

٤٢ - طبقات المحدثين بأصبهان والواردين عليها لأبي محمد عبد الله بن محمد بن جعفر بن حيان الأنصاري المعروف بأبي الشيخ الأصبهاني (المتوفى: ٣٦٩هـ)، المحقق: عبد الغفور عبد الحق حسين البلوشي، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة: الثانية، ١٤١٢هـ - ١٩٩٢م.

٤٣ - ظلال الجنة في تخريج السنة لابن أبي عاصم، لمحمد ناصر الدين الألباني، الناشر: المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة: الثالثة، ١٤١٣هـ - ١٩٩٣م.

٤٤ - العبر في خبر من غبر لشمس الدين أبي عبد الله محمد بن

أحمد بن عثمان بن قَائِمَاز الذهبي (المتوفى: ۷۴۸هـ)، المحقق: أبو هاجر محمد السعيد بن بسيوني زغلول، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت.

٤٥ - العلل الواردة في الأحاديث النبوية لأبي الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (المتوفى: ۳۸۵هـ)، تحقيق وتخرّيج: محفوظ الرحمن زين الله السلفي، الناشر: دار طيبة - الرياض، الطبعة: الأولى ۱۴۰۵هـ - ۱۹۸۵م.

٤٦ - عمدة القاري شرح صحيح البخاري لأبي محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين العينتأبي الحنفى بدر الدين العيني (المتوفى: ۸۵۵هـ)، الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٤٧ - فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء، المجموعة الأولى، جمع وترتيب: أحمد بن عبد الرزاق الدويش، الناشر: رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء، الرياض.

٤٨ - فتح الباري شرح صحيح البخاري لأحمد بن علي بن حجر أبي الفضل العسقلاني الشافعي (ت ۸۵۲هـ)، الناشر: دار المعرفة، بيروت، ۱۳۷۹هـ، رقم كتبه وأبوابه وأحاديثه: محمد فؤاد عبد الباقي، قام بإخراجه وصححه وأشرف على طبعه: محب الدين الخطيب.

٤٩ - فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم لإسماعيل بن إسحاق القاضي الأزدي الجهضمي (المتوفى: ۲۸۲هـ)، الناشر: المكتب الإسلامي، بيروت، الطبعة: الثالثة، ۱۹۷۷م، تحقيق: محمد ناصر الدين الألباني.

٥٠ - الفقه المنهجي على مذهب الإمام الشافعي رحمه الله تعالى تأليف: الدكتور مصطفى الحنّ، والدكتور مصطفى البُغا، وعلي الشَّرْجِي،

الناشر: دار القلم للطباعة والنشر والتوزيع، دمشق، الطبعة: الرابعة، ١٤١٣ هـ - ١٩٩٢ م.

٥١ - الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة لشمس الدين أبي عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي (المتوفى: ٧٤٨ هـ)، المحقق: محمد عوامة أحمد محمد نمر الخطيب، الناشر: دار القبلة للثقافة الإسلامية، مؤسسة علوم القرآن، جدة، الطبعة: الأولى، ١٤١٣ هـ - ١٩٩٢ م.

٥٢ - كتاب الفوائد (الشهير بالغيلانيات) لأبي بكر محمد بن عبد الله بن إبراهيم بن عبدوَيْه البغدادي الشافعي البزّاز (المتوفى: ٣٥٤ هـ)، حققه: حلمي كامل أسعد عبد الهادي، قدم له وراجع وعلق عليه: أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان، الناشر: دار ابن الجوزي، السعودية-الرياض، الطبعة: الأولى، ١٤١٧ هـ - ١٩٩٧ م.

٥٣ - الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار لأبي بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواسي العبسي (المتوفى: ٢٣٥ هـ)، المحقق: كمال يوسف الحوت، الناشر: مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة: الأولى، ١٤٠٩ هـ.

٥٤ - كشف القناع عن متن الإقناع لمنصور بن يونس بن صلاح الدين ابن حسن بن إدريس البهوتي الحنبلي (المتوفى: ١٠٥١ هـ)، الناشر: دار الكتب العلمية.

٥٥ - الكفاية في علم الرواية لأبي بكر أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد بن مهدي الخطيب البغدادي (المتوفى: ٤٦٣ هـ)، المحقق: أبو عبد الله السورقي، إبراهيم حمدي المدني، الناشر: المكتبة العلمية، المدينة المنورة.

۵۶ - الكواكب النيرات في معرفة من الرواة الثقات، لبركات بن أحمد بن محمد الخطيب، أبي البركات، زين الدين ابن الكيال (المتوفى: ۹۲۹هـ)، المحقق: عبد القيوم عبد رب النبي، الناشر: دار المأمون، بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۹۸۱م.

۵۷ - لسان الميزان لأبي الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: ۸۵۲هـ)، المحقق: عبد الفتاح أبو غدة، الناشر: دار البشائر الإسلامية، الطبعة: الأولى، ۲۰۰۲م.

۵۸ - المبدع في شرح المقنع لإبراهيم بن محمد بن عبد الله بن محمد ابن مفلح، أبي إسحاق، برهان الدين (المتوفى: ۸۸۴هـ)، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۸هـ - ۱۹۹۷م.

۵۹ - مجمع الزوائد ومنبع الفوائد لأبي الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (المتوفى: ۸۰۷هـ)، حققه وخرج أحاديثه: حسين سليم أسد الداراني، الناشر: دار المأمون للتراث.

۶۰ - المجموع شرح المذهب لأبي زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: ۶۷۶هـ)، الناشر: دار الفكر.

۶۱ - مجموع فتاوى ورسائل فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين لمحمد بن صالح بن محمد العثيمين (المتوفى: ۱۴۲۱هـ)، جمع وترتيب: فهد بن ناصر بن إبراهيم السليمان، الناشر: دار الوطن، دار الثريا، ۱۴۱۳هـ.

۶۲ - المحلى بالآثار لأبي محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري (المتوفى: ۴۵۶هـ)، الناشر: دار الفكر، بيروت.

۶۳ - المخلصيات لأبي طاهر محمد بن عبد الرحمن بن العباس بن

عبد الرحمن بن زكريا البغدادي المخلّص (المتوفى: ۳۹۳هـ)، المحقق: نبيل سعد الدين جرار، الناشر: وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية لدولة قطر، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۹هـ - ۲۰۰۸م.

٦٤ - المدخل إلى معرفة كتاب الإكليل لأبي عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نعيم بن الحكم الضبي الطهماني النيسابوري المعروف بابن البيع (المتوفى: ۴۰۵هـ)، الناشر: دار ابن حزم، بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۳هـ.

٦٥ - المراسيل لأبي محمد عبد الرحمن بن محمد بن إدريس بن المنذر التميمي، الحنظلي، الرازي ابن أبي حاتم (المتوفى: ۳۲۷هـ)، المحقق: شكر الله نعمة الله قوجاني، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۳۹۷هـ.

٦٦ - المستدرك على الصحيحين لأبي عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نعيم بن الحكم الضبي الطهماني النيسابوري المعروف بابن البيع (المتوفى: ۴۰۵هـ)، تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۱هـ - ۱۹۹۰م.

٦٧ - المسند للإمام أبي عبد الله محمد بن إدريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبي القرشي المكي (المتوفى: ۲۰۴هـ)، رتبته على الأبواب الفقهية: محمد عابد السندي، تحقيق: السيد يوسف علي الزواوي الحسني، والسيد عزت العطار الحسني، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ۱۳۷۰هـ - ۱۹۵۱م.

٦٨ - مشاهير علماء الأمصار وأعلام فقهاء الأقطار لمحمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبَد، التميمي، أبي حاتم، الدارمي، البُستي (المتوفى: ۳۵۴هـ)، حققه ووثقه وعلق عليه: مرزوق علي إبراهيم،

الناشر: دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزيع، المنصورة، الطبعة: الأولى، ١٤١١هـ - ١٩٩١م.

٦٩ - المصنف لأبي بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (المتوفى: ٢١١هـ) المحقق: حبيب الرحمن الأعظمي، الناشر: المجلس العلمي، الهند، يطلب من: المكتب الإسلامي-بيروت، الطبعة: الثانية، ١٤٠٣هـ.

٧٠ - المعجم الكبير لسليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللحي الشامي، أبي القاسم الطبراني (المتوفى: ٣٦٠هـ)، المحقق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، الناشر: مكتبة ابن تيمية، القاهرة، الطبعة: الثانية.

٧١ - معجم المختلطين لمحمد بن طلعت، الناشر: أضواء السلف، ١٤٢٥هـ-٢٠٠٥م.

٧٢ - معجم المدلسين لمحمد بن طلعت، الناشر: أضواء السلف، ١٤٢٦هـ-٢٠٠٥م.

٧٣ - مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج لشمس الدين، محمد بن أحمد الخطيب الشربيني الشافعي (المتوفى: ٩٧٧هـ)، الناشر: دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، ١٤١٥هـ - ١٩٩٤م.

٧٤ - المغني لأبي محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسي ثم الدمشقي، الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي (المتوفى: ٦٢٠هـ)، الناشر: مكتبة القاهرة.

٧٥ - المنتقى من السنن المسندة لأبي محمد عبد الله بن علي بن الجارود النيسابوري الجاور بمكة (المتوفى: ٣٠٧هـ) المحقق: عبد الله عمر البارودي، الناشر: مؤسسة الكتاب الثقافية، بيروت، الطبعة: الأولى،

١٤٠٨ھ-١٩٨٨م.

٧٦ - منهج المتقدمين في التدليس لناصر بن حمد الفهد، الناشر: مكتبة أضواء السلف، الرياض، الطبعة: الأولى، ١٤٢٢ھ.

٧٧ - المذهب في اختصار السنن الكبير للبيهقي تأليف أبي عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (المتوفى: ٧٤٨ھ)، الناشر: دار الوطن، الرياض، المحقق: أبو تميم ياسر بن إبراهيم، الطبعة: الأولى، ١٤٢٢ھ.

٧٨ - المذهب في فقه الإمام الشافعي لأبي إسحاق إبراهيم بن علي بن يوسف الشيرازي (المتوفى: ٤٧٦ھ)، الناشر: دار الكتب العلمية.

٧٩ - المؤلف والمختلف لأبي الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدار قطني (المتوفى: ٣٨٥ھ)، تحقيق: موفق بن عبد الله بن عبد القادر، الناشر: دار الغرب الإسلامي، بيروت، الطبعة: الأولى، ١٤٠٦ھ - ١٩٨٦م.

٨٠ - الموسوعة الفقهية الكويتية صادر عن وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية، الكويت، الطبعة: (من ١٤٠٤ - ١٤٢٧ھ).

٨١ - الموسوعة الفقهية الميسرة في فقه الكتاب والسنة المطهرة لحسين بن عودة العوايشة، الناشر: المكتبة الإسلامية (عمان-الأردن)، دار ابن حزم (بيروت-لبنان)، الطبعة: الأولى، من ١٤٢٣ھ-١٤٢٩ھ.

٨٢ - ميزان الاعتدال في نقد الرجال لشمس الدين أبي عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي (المتوفى: ٧٤٨ھ)، تحقيق: علي محمد البجاوي، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ١٣٨٢ھ - ١٩٦٣م.

٨٣ - نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر في مصطلح أهل الأثر،

لأبي الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: ٨٥٢هـ)، المحقق: عبد الله بن ضيف الله الرحيلي، الناشر: مطبعة سفير بالرياض، الطبعة: الأولى، ١٤٢٢هـ.

٨٤ - النكت على مقدمة ابن الصلاح لأبي عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي الشافعي (المتوفى: ٧٩٤هـ)، المحقق: د. زين العابدين بن محمد بلا فريج، الناشر: أضواء السلف، الرياض، الطبعة: الأولى، ١٤١٩هـ - ١٩٩٨م.

٨٥ - الوجيز في فقه السنة والكتاب العزيز لعبد العظيم بن بدوي بن محمد، الناشر: دار ابن رجب، مصر، الطبعة: الثالثة، ١٤٢١هـ - ٢٠٠١م.

